باسمه سبحانه وتعالی

نکاح وطلاق اور اُن سے پیدا ہونے والے سماجی مسائل

کا تحقیقی جائزہ وحل

تحریر کنندہ

محمد عظمت اللہ ہدایت اللہ میر الرحیمی الکشمیری عفا اللہ عنہما

مدرس و خادم شعبۂ افتاء و دار القضاء

دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر

باسمہ سبحانہ وتعالی

حامدا ومصليا ومسلما:

مرد وعورت کا اجتماع (جنسی اختلاط) انسان کا فطری اور طبعی تقاضہ ہے اور اس طبعی تقاضہ کی تکمیل کے ذریعہ کو ہر شریعت اور ہر مذہب نے ایک خاص معاہدہ کا پابند بنایا ہے۔اس معاہدہ (عقد) کے بغیر مرد وعورت کا باہمی اجتماع کسی بھی شریعت ومذہب اور کسی بھی معاشرہ وقوم نے جائز قرار نہیں دیا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنی بھی شریعتیں اللہ تعالی نے اتاریں سب میں نکاح کو نہایت اہم مذہبی اہمیت حاصل رہی ہے۔بنا بریں رشتہ نکاح کو نتیجہ خیز اور گھریلو زندگی کو مربوط بنانے کے لئے اسلام نے جو ہدایات دی ہیں ان میں نکاح سے متعلق اصول وضوابط کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔اسلام نے ایک طرف نکاح میں انسان کی اپنی پسند اور ذاتی دلچسپی کو اہمیت دی ہے تو دوسری طرف معاشرتی قدروں کے تحفظ،اندرون خانہ اخلاقی ماحول کی تعمیر کے لئے نکاح کی دفعات بھی قائم کی ہیں مگر ان دونوں کے درمیان اعتدال شرط ہے۔اعتدال مفقود ہو جائے تو گھریلو اور ازدواجی زندگی بحران کا شکار ہو کر رہ جائے گی۔

اس تمہید کے بعد چند باتیں زیر بحث آتی ہیں:

البحث الاول عن السوال الاول:۔

الف:۔ بچوں کے نکاح کی ذمہ داری کس پر ہے؟۔

ب:۔ اگر ذمہ داری والدین پر ہے تو کیا وہ بچوں کے لئے انتخاب نکاح میں بالکل آزاد ہونگے یا اس میں کسی چیز کے پابند ہونگے ؟

ج:۔ کیا اس صورت میں بچوں پر والدین کی اطاعت واجب ہے؟۔

بچوں کے نکاح کی ذمہ داری کس پر ہے ؟۔

اسلام نے بچوں کی تربیت اور ان کے خود کفیل ہونے تک ان کی دیکھ ریکھ نیز بچوں کے نکاح کی ذمہ داری بہر حال والدین پر ڈالی ہے اس سلسلے میں جو قرآنی آیت اس طرف مشیر ہیں وہ مندرجہ ذیل ہے:

وانکحوا الایامی منکم الخ۔(النور۳۲)

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب اولیاء سے ہے۔جس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ نکاح کی ذمہ داری اولیاء کی ہے اسی لئے ان کو خطاب کیا گیا۔

استدلال :الف :

انکاح اولاد کے مخاطبین تفاسیر کے آئینہ میں:۔

علامہ قرطبیؒ نے اس آیت شریفہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ بچوں کے نکاح کی ذمہ داری اولیاء پر ہے اور اس آیت کریمہ میں خطاب اولیاء ہی کو کیا گیا ہے:

وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم الخ: فیه سبع مسائل : الاولی : هذه المخاطبة تدخل فی باب الستر والصلاح ؛ای زوجوا من لا زوج له منکم فانه طریق التعفف؛ والخطاب للاولیاء ،وقیل للازواج ،والصحیح الاول؛ اذ لو اراد الازواج لقال "وانکحوا "بغیر همز وکانت الاف للوصل.الجامع لاحکام القران۔(۲۳۹/۱۲،دارعالم الکتب)۔

یعنی تم میں سے جو بے نکاح ہیں تم ان کا نکاح کرادو اس لئے کہ یہ تعفف کا طریقہ ہے؛اور خطاب اولیاء کو ہیں اور کہا گیا ازواج کو ہے؛اور صحیح پہلا قول

ہے الخ۔

علامہ زمخشری الخوارزمیؒ نے ''الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل ''میں ''وانکحوا الایامی منکم الخ '' کی توضیح کے تحت والدین پر بچوں کے نکاح کی ذمہ داری کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

وانکحوا الایامی منکم الایة: وھذا الامر للندب لما علم من أن النکاح أمر مندوب الیه وقد یکون للوجوب فی حق الاولیاء عند طلب المرأة ذالک الخ.الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل۔(۲۳۸/۳،داراحیاء التراث العربی۔بیروت)

والدین پر بچوں کا نکاح کرانا اگر چہ امر مندوب ہے لیکن یہ ذمہ داری کبھی اولیاء پر واجب ہوجاتی ہے جب بچوں میں نکاح کی طلب پائی جائے۔

فقیہ ابواللیث الحنفی السمرقندیؒ ''تفسیر السمرقندی ''میں ''وانکحوا الایامی منکم الایة'' کی وضاحت کے تحت رقمطراز ہیں:

قوله عز وجل ''وانکحوا الایامی منکم ''والایامی الرجال والنساء الذین لا ازواج لھم ...فأمر الاولیاء بأن یزوجوا النساء وأمر الموالی بأن یزوجوا العبید والاماء اذا احتاجوا الی ذالک فقال للاولیاء.وانکحوا الایامی منکم وھذا امر استحباب ولیس بحتم الخ.تفسیر السمرقندی۔(۵۱۰/۲،دارالفکر۔البیروت)۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ سبحانہ وتعالی نے اولیاء کوحکم کیا ہے جب ان کی اولا دکونکاح کی حاجت ہوتو وہ ان کا نکاح کردیا کریں۔

علامہ آلوسیؒ نے ''تفسیر آلوسی المعروف بالروح المعانی ''میں ''وانکحوا الایامی الایة'' کی تفسیر میں لکھا ہے:

وانکحوا الایامی منکم الایة؛(ملخصا)؛وفی شرح سیبویه لابی بکر الخصاف الائم التی لا زوج لھا ....أی زوجوا من لا زوج له من الاحرار والحرائر (والصالحین من عبادکم وامائکم) علی أن الخطاب للاولیاء والسادات الخ.روح المعانی ۔(۴۱۴/۱۳)۔

اس آیت مبارکہ میں انکاح اولا دکاحکم اولیاء اور سادات کودیا گیا ہے۔

علامہ بیضاویؒ نے بھی ''تفسیر بیضاوی میں انکاح اولا دپر گفتگو کرتے ہوئے ''وانکحوا الایامی منکم الایة'' کی تشریح وتوضیح میں لکھا ہے:

وانکحوا الایامی منکم الایة: لما نھی عما عسی یفضی الی السفاح المخل بالنسب المقتضی للالفة وحسن التربیة ومزید الشفقة المؤدیة الی بقاع النوع بعد الزجر عن مبالغة فیه عقبه بأمر النکاح الحافظ له والخطاب للاولیاء والسادة الخ.تفسیر البیضاوی(۱۸۴/۱)

اولاد کے تئیں والدین کی حسن تربیت اورزیادتی شفقت کی بقاءاور دیرپا اثرات کومؤثر بنانے کے لئے اللہ تبارک وتعالی نے انکاح اولا دکومؤثر بتایا ہے اوراولیاءاورسادات کواس کاحکم دیا ہے۔

صاحب تفسیر جواہر اللسان المعروف '' تفسیر الثعالبی ''ابن العربی کے حوالہ سے ''وانکحوا الایامی منکم :الایة: سے انکاح اولا دواماء پر ذمہ داران کاتعین کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

وانکحوا الایامی منکم : الایة: ...(ملخصا)....قال ابن العربی فی احکامه قوله تعالی والصالحین من عبادکم الاظھر فیه أنه أمر بانکاح العبید والاماء کما امر بانکاح الایامی وذالک بید السادة فی العبید والاماء کما ھو فی الاحرار بید الاولیاء انتھی. جواھر اللسان المعروف ''تفسیر الثعالبی '' ۔(۱۱۸/۳)

اس آیت میں اصلاً انکاح عبید واماء کاحکم دیا گیا ہے جیسا کہ انکاح ایامی کاحکم دیا گیا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اماء اور عبید کے نکاح کا ذمہ سادات پر ہے جیسے کہ احرار کے نکاح کا ذمہ اولیاء پر ہے۔

علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی الشہیر بالخازن اپنی تفسیر "لباب التأویل فی معانی التنزیل "المعروف "بالتفسیر الخازن" میں "وانکحوا الایامی منکم،الایۃ" کی روشنی میں مخاطبین کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وانکحوا الایامی منکم الایة: ....(ملخصا) ....وفی الآیة دلیل علی أن تزویج الایامی الی الاولیاء لان الله خاطبهم به کما أن تزویج العبید والاماء الی السادات.لباب التأویل فی معانی التنزیل "المعروف "بالتفسیر الخازن" ۔(۲۷۵/۵،دارالفکر بیروت لبنان۱۳۹۹ھ)

یہ آیت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ تزویج ایامی کا ذمہ اولیاء پر ہے اس لئے کہ اللہ پاک نے ان کو تزویج ایامی میں مخاطب بنایا ہے جیسے کہ تزویج عبید واماء میں خطاب سادات کو کیا گیا ہے۔

علامہ محمد بن احمد الشربینی "تفسیر السراج المنیر "میں "وانکحوا الایامی منکم" کی توضیح کرتے ہوئے اس آیت میں خطاب کے بارے میں رقمطراز ہیں:

وانکحوا الایامی منکم :الایة: جمع أیم والأیامی والیتامی أصلهماایایم ویتایم فقلبا ،والایم هی من لیس لها زوج بکرا او ثیبا ،ومن لیس له امرأة فیشمل ذالک الذکر والانثی ....والخطاب للاولیاء والسادة.السراج المنییر ۔(۴۸۷/۲،دارالکتاب العلمیۃ بیروت)۔

اس آیت میں خطاب اولیاء اور سادات کو ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری اپنی تفسیر "النکت والعیون"میں "وانکحوا الایامی منکم "آیت شریفہ کے ذیل میں بحث فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

وانکحوا الایامی منکم : الایة: ...وفی هذاالخطاب قولان :أحدهما: أنه الخطاب للأولیاء أن ینکحوا ایامهم عن أکفائهن اذا دعون الیه .لأنه خطاب خرج مخرج الأمر الحتم فلذالک یوجه الی الولی دون الزوج.

والثانی : أنه خطاب للأزواج أن یتزوجوا الأیامی عند الحاجة.النکت والعیون المرسوم بالتفسیر الماوردی ۔(۹۸/۴،دارالکتاب العلمیۃ بیروت لبنان)۔

ابن عربیؒ "احکام القرآن" میں" وانکحوا الایامی منکم" کے تحت متعدد مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وانکحوا الایامی منکم الخ: فیها سبع مسائل .....(ملخصا).... المسألة الثانیة : فی المراد بالخطاب بقوله (وانکحوا) فقیل : هم الازواج وقیل هم الاولیاء من قریب وسید والصحیح أنهم الاولیاء لانه قال : أنکحوا ۔احکام القران لابن العربی۔(۷۹/۶)۔

استدلال :ب :

انکاح اولاد کے مخاطبین احادیث کے آئینہ میں:۔

اولاد کے تئیں باپ کے فرائض:۔

عن ابی سعید وابن عباس قالا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من ولد له ولد فلیحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فلیزوجه فان بلغ ولم یزوجه فاصاب اثما فانما اثمه علی ابیه.

حضرت ابوسعید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہو تو چاہئے

کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے نیک ادب سکھائے اور پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے اگر لڑکا بالغ ہوا اور اس کا باپ اسکا نکاح کرنے پر قادر ہونے کے باوجود اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکا برائی میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا۔

وعن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وأنس بن مالک عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فی التوراة مكتوب : من بلغت ابنته اثنتی عشرة سنة ولم يزوجها فأصابت اثما فأثم ذالک عليه:راهما البيهقی فی شعب الايمان .مشكوة المصابيح :باب الولی فی النكاح واستئذان المرأة الفصل الثالث ۔(العدد:۳۱۳۸،۳۱۳۹)۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی کی عمر بارہ سال کی ہو جائے اور کفو پانے کے باوجود اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکی برائی میں مبتلاء ہو جائے تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ ان احادیث کی توجیہ وتشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ والدین کی اولاد سے متعلق ان فرائض کی طرف توجہ ایک ایسا امر ہے جو زجر وتہدید پر محمول ہونے کی وجہ سے تاکید اور مبالغہ کے لئے ہے اور علامہ طیبی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ''فانما اثمه على ابيه'' کے متعلق یہ قول بھی نقل فرمایا ہے کہ: اس معاملہ میں والدین کی کوتاہی کے پیش نظر گناہ کا وبال والدین پر حقیقۃ ہے اور الفاظ حدیث ''انما اثمه على ابيه ''میں حصر اس بات پر دال ہے کہ اولاد سے ان کے جرم کے وبال کی نفی کا بیان بھی بطور مبالغہ کے ہے اس لئے کہ اولاد کے پاس عموما نکاح کے لئے ایسے اسباب نہیں ہوتے ہیں جن سے وہ فائدہ اٹھا پاتے، گناہ میں مبتلا ہونے کے بجائے۔

''ای جزاء اثمه عليه لتقصيره وهو محمول على الزجر والتهديد للمبالغة والتأكيد قال الطيبی رحمہ اللہ : أی جزاء الاثم عليه حقيقة ودل هذا الحصر على أن لا أثم على الولد مبالغة لأنه لم يتسبب لما يتفادى ولده من أصابه الأثم''.مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ۔(۲۰۶۴/۵،دارالفکر)۔

ان دونوں روایات کے سیاق وسباق اور ملا علی قاری رحمہ اللہ کی ان احادیث سے متعلق توضیح وتشریح اور علامہ طیبی رحمہ اللہ کی تفہیم وتنقیح سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ انکاح اولاد کی ذمہ داری والدین پر ہیں۔ اگر وہ اس فریضہ میں کوتاہی کریں تو اولاد کے برائیوں میں مبتلا ہونے کا وبال والدین پر ہوگا۔ جو دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ بچوں کے لئے رشتہ کا انتخاب اور اس عمر میں ان کی زندگیوں کو گناہوں کی آلائش سے دور رکھنے کی ذمہ داری والدین پر ہے۔

حضرت تھانوی نور الله مرقده کا رجحان بھی یهی نظر آتا هے :۔

محقق علام وزمان حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کا رجحان بھی یہی نظر آتا ہے کہ انکاح اولاد اور اہتمام انکاح اولاد کی ذمہ داری والدین پر ہے۔ آپ ''امداد الفتاوی'' کے استفتاء نمبر (۶۴۰) بعنوان ''ضابطہ در تربیت اولاد و اہتمام نکاح شاں'' کے ذیل میں یوں رقم طراز ہیں:

''اور سوال حکم تاکیدی شادی کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم قرآن میں بھی ہے اور حدیث میں بھی عام طور سے ہے کہ لڑکا لڑکی دونوں کو شامل ہے اور لڑکیوں کے لئے خصوصیت سے بھی۔

قال الله تعالى : وانكحوا الايامى منكم الاية: ايامى ،ايم كی جمع هے .شراح حديث نے تصريح كی هے :الايم من لا زوج لها بكرا كانت او ثيبا ويسمى الرجل الذى لا زوجة له ايما ايضا وفى المشكوة :الفصل الثانى من باب تعجيل الصلوة عن على رضى الله أن النبى صلى الله عليه وسلم قال يا على ثلاث لا تؤخرها الصلوة اذا انت والجنازة اذا حضرت والايم اذا وجدت لها كفؤ .رواه الترمذى وفيها :الفصل الثالث من باب الولى فى النكاح عن ابى سعيد وابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ولد له ولدا فليحن اسمه وادبه فاذا بلغ فليزوجه فان بلغ ولم يزوجه فأصاب اثما فنما اثمه على ابيه

.وعن عمر بن الخطابؓ وانس بن مالکؓ عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فی التوراة مکتوب من بلغت ابنته اثنتی عشر سنة ولم یزوجه فاصابت اثما فأثم ذالک علیه .رواهما البیهقی فی شعب الایمان۔

ان روایات سے اس حکم کا مؤکد ہونا معلوم ہوا اور مأ کد کا ترک موجب مواخذہ ہوتا ہے اور گناہ کی مقدار بھی آخیر کی حدیثوں سے معلوم ہوگئی کی درصورت تأخیر جس گناہ میں یہ اولاد مبتلا ہوگی خواہ نگاہ کا یا کان کا یا زبان کا یا دل کا اتنا ہی گناہ صاحب اولاد کو ہوگا''۔

استدلال : جیم :

انکاح اولاد کا حکم اور فقھی عبارات:۔

علامہ کاسانی حنفیؒ ''واما بیان شرائط الجواز والنفاذ''عنوان کے ذیل میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولنا قوله تعالی :(وانکحوا الایامی منکم) والایم اسم للانثی من بنات آدم علیه السلام کبیرة کانت او صغیرة لا زوج لها وکلمة (من) ان کان للتبعیض یکون هذا خطابا للاباء وان کانت للتجنیس یکون خطابا لجنس المؤمنین وعموم الخطاب یتناول الاب والجد۔ بدائع الصنائع۔(۵۰۲/۲۔زکریا)

اور''ایم'' کا اطلاق ایسی مونث پر ہوتا ہے جو کنواری ہو چاہئے چھوٹی ہو یا بڑی،اور کلمہ''من'' اگر تبعیض کا مانیں تو خطاب آباء کو ہوگا اور اگر تجنیس کا مانیں تو اس صورت میں خطاب جنس مؤمنین کو ہوگا۔اور عموم خطاب میں اب اور جد بھی شامل ہونگے۔

اولاد کے لئے رشتہ کا انتخاب والدین کا حق ھے ،مستدلات مندرجہ ذیل ھیں۔

بچوں کے لئے رشتہ کا انتخاب والدین کے ذمہ ہے اگر چہ شریعت نے بچوں کی پسند اور ناپسند کا خیال رکھنے کے لئے والدین کو بھی پابند بنایا ہے۔بہر حال انتخاب کا حق والدین کا ہی ہے اگر اس میں بچوں کی طرف سے نافرمانی کا ارتکاب پایا گیا تو وہ گہنگار ہونگے اور امر وجوب کی خلاف ورزی کے مرتکب ہونگے۔

الدلیل الاول:۔

والدین کی اطاعت تمام امور مباح میں اولاد پر واجب ہے اور اس پر متعدد قرآنی ارشادات اور احادیث رسول ﷺ دال ہیں،امور مباح میں نکاح یقیناً شامل ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

نکاح سے متعلق مندرجہ بالا قرآنی آیات واقوال مفسرین،متن احادیث اور فقہاء کی توضیحات سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ نکاح اولاد کا حکم والدین کے ساتھ متعلق ہے یعنی بچوں کے نکاح کی ذمہ داری اور اس کا انتخاب والدین پر ہی ہے کیونکہ خطاب اباء واولیاء کو ہے۔اور اس میں جمہور علماء متفق نظر آتے ہے۔

الدلیل الثانی:۔

یہاں اگر چہ ان آیات واحادیث اور فقہی عبارات کے ذیل میں مفسرین اور محدثین نیز فقہائے امت نے یہ بحث بھی کی ہے کہ آیا انکاح اولاد کا یہ حکم والدین یا عام مؤمنین کے لئے واجبی ہے یا استحبابی،اس سے قطع نظر بہر حال جمہور علماء ہوں یا مشائخ علماء احناف،اس پر تو سبھی کا اتفاق ہے کہ انکاح اولاد کے حکم کو بہر حال شریعت نے والدین کی اہم ذمہ داری اور فریضہ بتایا ہے۔چاہئے یہ حکم بقول جمہور علماء،حنابلہ،مالکیہ اور شوافع کے واجبی ہے یا بقول علمائے احناف کے استحبابی ہے۔جو کچھ بھی ہو یہ بات تو بالکل صاف اور ثابت ہے کہ انکاح اولاد کا حکم والدین کو ہے۔اور بچوں کی اطاعت اس میں اتنی ہی لازم کردی ہے جتنا دیگر امور مباح میں لازم کی ہے۔

والدین کا اولاد کے لئے رشتہ نکاح کے انتخاب میں ان کی پسند اور ناپسند کا خیال رکھنا شریعت نے

لازم کر دیا ھے وہ اس میں قطعاآزاد نہ ھونگے۔

الدلیل الثالث:۔ بچوں کے لئے رشتہ کا انتخاب اگر والدین کے ذمہ نہ ہوتا تو ''ولایت'' کا مسئلہ کتب احادیث وفقہ میں زیر بحث نہ ہوتا جب کہ ''ولایت'' کے مسائل بیان کرنے کے لئے مستقلا باب قائم کئے گئے ہیں جو تفصیلی بھی ہیں اور مختلف فیہ بھی، اس کے باوجود علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بچوں کے لئے رشتہ انتخاب کرنے کا حق والدین کو ہے خود بچوں کو نہیں ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ بچوں کی پسند اور ناپسند کا خیال رکھا جائے۔ اولاد کی اسی پسند اور ناپسند کا خیال رکھنے کے لئے مندرجہ ذیل آیات وروایات وارد ہوئی ہیں۔

فاذا بلغن اجلهن فلا جناح عليكم فيما فعلن فى انفسهن بالمعروف ۔(البقرۃ۲۳۴)۔

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره۔(البقرۃ،۲۳۰)

ولا تعضلوهن أن ينكحهن ازواجهن اذا تراضوا بينهم بالمعروف۔(البقرۃ۲۳۲)۔

قد حللت فانكحى من شئت۔(مؤطاامام مالک۲۰۸)۔

جائت امرأة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت ان ابى أنكحنى رجلا وأنا كارهة فقال لأبيها لا نكاح لك اذهبى فانكحى من شئت۔(الدرایۃ۲/۲۹۴)۔

لا تنكح الأيم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستأذن۔(بخاری۲/۱۷۷)۔

عن ابن عباس رض أن النبى ﷺ رد نكاح ثيب وبكر أنكحهما ابوهما وهما كارهتان۔(مرقاۃ،۶/۲۰۸۔۲۰۹)

عن خنساء بنت خزام الانصارية أن اباها زاجها وهى ثيب فكرهت ذالك فأتت رسول الله ﷺ فرد نكاحها ۔(بخاری ،۲/۱۷۷۔۲۷۷)

ان جارية أتت النبى ﷺ فذكرت أن أباها زوجها وهى كارهة فخيرها النبى ﷺ۔(ابوداؤد،۱/۲۸۵۔۲۸۶)۔

مسئلہ ولایت کے پیچھے جو شریعت کی روح کام کررہی ہے وہ دراصل یہی ہے کہ انسان کے پاس جو فطری حیا، تستر اور تمانع ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے جنسی معاملات میں خود کوئی پیش رفت نہ کرے بلکہ سرپرستوں کے تابع رہے، مسئلہ ولایت کی یہ روح اور انسان کے بارے میں اسلام کا یہی وہ عمومی مزاج ہے جن کو مندرجہ آیات اور احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔

وأنكحوا الايامى منكم۔(النور۳۲)۔

فانكحوهن باذن اهلهن۔

لا نكاح الا بولى۔(ترمذی۱/۲۰۸)۔

لا نكاح الا باستيذان الولى۔(مجمع الزوائد)

أيما امرأة نكحت بغير اذن وليها بنكاحها باطل باطل باطل۔(مشکوۃ علی المرقاۃ،۶/۲۰۷)۔

لا نكاح الا بولى مرشد او سلطان۔(طبرانی)۔

لا تزوج المرأة المرأة ولا تزوج المرأة نفسها فان الزانية هى التى تزوج نفسها۔(مشکوۃ علی المرقاۃ،۶/۲۰۷)۔

رشتہ نکاح میں والدین کی مرضی قبول کرنا واجب ھے۔

الدلیل الرابع:۔

اس کے علاوہ ہمارے یہاں ولایت کے مسئلہ میں یہ مسئلہ بھی آتا ہے کہ اگر بالغہ باکرہ اپنا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر کرے اور اس میں مہر، مہر

مثل سے کم ہو یا غیر کفو میں نکاح کیا ہو تو ولی کو حق اعتراض ہے اور وہ قاضی کے ذریعہ اس نکاح کو فسخ کرائے۔حق اعتراض کامل جانا اور قاضی سے اس رشتہ کو فسخ کرانے کا حق ملنا، اس سے تو اتنی بات یقیناً ثابت ہو جاتی ہے کہ اباء واولیاء کا رشتہ نکاح میں عمل دخل لازمی ہے اور اس میں بچوں کے لئے والدین کی اطاعت واجب ہے۔

اگر اس کو خلاف مستحب مانیں تو خلاف مستحب امر پر حق اعتراض اور قاضی کی مداخلت قطعاً ممکن نہیں اس لئے کہ قاضی ان ہی امور میں فسخ کا حق رکھتا ہے جو واجبی ہوں نہ کہ استحبابی۔یہی وجہ ہے کہ حسن بن زیادؒ نے جو دوسرا قول اس بارے میں امام صاحب کا نقل فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ ''اگر لڑکی نے غیر کفو میں نکاح کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا گویا اولیاء کو عدالت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور خود بخود یہ نکاح کالعدم سمجھا جائے گا۔بعد کے فقہاء نے عدالتوں میں پیروی کی مشقتوں، غیر منصف مزاج لوگوں کے مقام قضاء پر فائز ہو جانے کی وجہ سے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔یعنی قاضی سے رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محض خلاف مستحب امر کی وجہ سے یہ کیسے ممکن ہے کہ قاضی سے نکاح فسخ نہ کرایا جائے اور وہ خود بخود کالعدم مانا جائے گا۔حالانکہ قاضی سے فسخ کرائے جانے کا حکم ''ظاہر الروایۃ'' ہے۔جو یہ ثابت کرتا ہے کہ والدین کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا خلاف واجب ہے نہ کہ خلاف مستحب، نیز متاخریں احناف نے غیر کفو میں نکاح کے صحیح ہونے کے لئے ولی کی اجازت کو شرط مانا ہے اور شرط وہی چیز ہوتی ہے جو واجب کے درجہ میں ہو یہی وجہ ہے کہ غیر کفو میں نکاح کرنے پر فقہائے احناف (متاخرین) نے ''عدم جواز اصلاً'' کا فتوی دیا ہے۔

علامہ تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تائید:۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانی نور اللہ مرقدہ نے بھی ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں ''خیار کفائت'' عنوان کے ذیل میں اس کو مندرجہ الفاظ میں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

''پہلی صورت: یہ ہے کہ بالغ عورت بغیر اذن ولی عصبہ غیر کفؤ میں نکاح کرے اس صورت میں فتوی اس پر ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوتا، بلکہ بالکل باطل ہے، حتی کہ اگر نکاح کے بعد ولی عصبہ جائز بھی رکھے تب بھی صحیح نہیں ہوتا؛ کیونکہ نکاح سے قبل اجازت کا ہونا شرط ہے؛ لہذا عورت کو لازم ہے کہ ایسا ہرگز نہ کرے، اگر ایسا کرے گی تو نکاح کالعدم ہونے کی وجہ سے ہمیشہ معصیت میں مبتلا رہیگی''۔

كما في الدر المختار :(فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي وله اذا كان عصبة) ولو غير محرم كابن عم في الاصح ،خانية. وخرج ذوالارحام والام والقاضي .(الاعتراض في غير الكفؤ مالم تلد منه ويفتى بعدم جوازه أصلا الخ. وفي رد المحتار : هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة ،وأيده صاحب الدر بقوله : وهو المختار للفتوى ، والعلامة الشامي وغيره بقوله: وقال شمس الائمة : وهذا اقرب الى الاحتياط.شامي :كتاب النكاح :باب الولي (۱۵۵/۴)زكريا ۔

آگے ''فائدہ'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''اسی سے اس صورت کا حکم بھی معلوم ہو گیا جس میں عورت کو شوہر کے غیر کفؤ ہونے کا علم نہ ہوا اور کفؤ ہونے کی شرط کر کے یا بلا شرط نکاح کیا ہو اور بعد میں معلوم ہو جائے کہ وہ شخص کفؤ نہیں ہے تو عورت پر واجب ہے کہ معلوم ہوتے ہی اس سے الگ ہو جائے: کیونکہ قول مفتی بہ کے مطابق غیر کفؤ سے بدون اذن ولی نکاح درست نہیں ہوتا تو جس وقت اس کا غیر کفؤ ہونا ظاہر ہو گیا اس وقت ثابت ہو گیا کہ نکاح اول ہی سے باطل تھا''۔

وأما قول المختار: فلو نكحت رجلا ولم تعلم حاله ،فاذا هو عبد ،لا خيار لها ؛ بل للاولياء.شامي :كتاب النكاح :باب الكفائة .(۲۰۸/۴) زكريا.

فهو مبني على ظاهر الرواية : والا فلا معنى لخيار الاولياء ،وقد علمت أن ظاهر الرواية متروك برواية الحسن

المختارة للفتوى۔بحوالہ الحیلۃ الناجزۃ:جدید(۱۳۰،۱۳۲)۔

ایک اور جگہ اس سلسلے میں علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

(ویفتی) فی غیر الکفؤ (بعدم جوازه اصلا) وهو المختار للفتوی لفساد الزمان .قوله (ویفتی فی غیر الکفؤ الخ)...وأن هذا القول المفتی به خاص بغیر الکفؤ کما اشار الیه الشارح...(وقوله وهو المختار للفتوی) وقال شمس الائمة وهذا اقرب الی الاحتیاط کذا فی تصحیح العلامة قاسم الخ.الدر مع الرد ،دار الکتاب ـ(۱۱۶/۴۔۱۱۷)۔

اور غیر کفؤ میں فتوی عدم جواز پر دیا جاتا ہے اور فساد زمانہ کی وجہ سے اسی پر فتوی دینا اختیار کیا گیا ہے۔۔۔اور شمس الائمۃ فرماتے ہیں کہ عدم جواز کے قول پر فتوی دینا احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔

علامہ سرخسیؒ نے بھی اسی چیز کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

والدلیل علیه ثبوت حق الاعتراض للاولیاء اذا وضعت نفسها فی غیر کفؤ...واذا زوجت نفسها من غیر کفؤ فقد ألحقت الضرر بالاولیاء ،فیثبت لهم حق الاعتراض لدفع الضرر عن انفسهم .مبسوط للسرخسی۔(۱۱/۵)۔

ملاعلی قاریؒ ’’ باب الولی فی النکاح واستیئذان المرأة ‘‘فصل ثانی میں’’ لا نکاح الا بولی ‘‘حدیث شریف پر توضیحات علماء کو بیان کرتے ہوئے ابن الھمامؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

وقال ابن الهمام : حاصل ما فی الولی من علمائنا سبع روایات الخ...(ملخصا)...وینبغی تقیید عدم الصحة المفتی به بما اذا کان لها اولیاء أحیاء لأن عدم الصحة أما کان علی ما وجه به هذه الروایة دفعا لضررهم وأما ما یرجع الی حقها فقد سقط برضاها بغیر الکفؤ.مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح ـ(۲۰۶۱/۵،۲۰۶۲۔دار الفکر)۔

عدم صحت کے مفتی بہ قول کو مقید کرنا مناسب ہے اس صورت کے ساتھ جب کہ عورتوں کے اولیاء زندہ ہوں اس لئے کہ عدم صحت کا قول محمول ہے اسی صورت پر جس کی طرف روایت میں اشارہ کیا گیا ہے اور وہ اولیاء کے ضرر کو دور کرنا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات کو مدنظر رکھتے ہوئے پہلے سوال کا جواب خلاصۃ درج ذیل ہے:

خلاصہ جواب سوال نمبر ایک:۔

الف:۔ بچوں کے نکاح کی ذمہ داری والدین پر ہے۔

ب:۔ انتخاب رشتہ کا حق بھی والدین ہی کو حاصل ہے۔

جیم:۔ رشتہ نکاح کے معاملے میں بچوں کو ان کے والدین کی مرضی قبول کرنا واجب ہے اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو گنہگار ہونگے۔

دال:۔ والدین کے لئے لازمی ہے کہ وہ بچوں کی پسند اور ناپسند کا خیال رکھیں،محض انتخاب پر اسی لڑکی کے ساتھ یا اسی لڑکے کے ساتھ جو ان کو پسند نہ ہوں نکاح کے لئے مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔

البحث الثانی عن السوال الثانی:۔

طلاق باوجودیکہ ایک ناپسندیدہ عمل اور فعل ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر ازدواجی زندگی میں ناخوشگواری اور ناقابل برداشت تلخی پیدا ہو جائے تو اس وقت طلاق مرد وعورت کے لئے ایک ضرورت بن جاتی ہے اسی وجہ سے فقہاء کے یہاں حالات کے اعتبار سے طلاق کے حکم کی بحث ملتی ہے اور فقہاء نے حالات اور مواقع کے لحاظ سے اس کا الگ الگ حکم بھی بیان کیا ہے۔

فقہاء نے حالات کے اعتبار سے طلاق کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔مکروہ،مباح،مستحب،واجب،حرام۔

الف:۔ اگرانسان کومعلوم ہو کہ وہ نکاح کو باقی رکھ کرعورت کے ساتھ ظلم کا مرتکب ہوگا جیسے نفقہ کا نہ دینا،تکلیف دہ حدتک مار پیٹ کرنا تو اس صورت میں طلاق دیناواجب ہے۔

ب:۔ شدیدضرورت ومجبوری کے بغیر طلاق دینامکروہ ہے۔

ج:۔ عورت اگر بدمزاج اورنافرمان ہوتواس صورت میں طلاق دینامباح ہے۔

د:۔ عورت اگرعفیف اور پاکدامن نہ ہواس صورت میں طلاق دینامستحب ہے

ہ:۔ اگراندیشہ ہو کہ طلاق دینے کی صورت میں عورت زنا اور معصیت میں مبتلا ہوسکتی ہے تو اس وقت طلاق دینا حرام ہے۔

لیکن بہرصورت طلاق ازدواجی ناخوشگواریوں کا ابتدائی حل نہیں بلکہ اصلاح حال کا آخری مرحلہ ہے۔یعنی جب تمام تر مساعی رشتہ کونبھانے کے کارگرنہ ہوں تب آخری چارۂ کار طلاق ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب زوجین کی تلخیوں اورمزاج واخلاق میں ناموافقت کے باوجودبھی ان کو پہلے اصلاح حال کاحکم دیا گیاہے تو کیا بہو کوناپسندکرنے کی وجہ سے والدین کے اصرار پر بیٹا اپنی بیوی کوطلاق دے سکتاہے؟،اورکیا بیٹے پروالدین کی اس بات کو ماننا ضروری ہے؟۔

اس سلسلے میں علامہ ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذیؒ نے اپنی سنن میں کتاب الطلاق کے ’’**باب ما جاء فی الرجل یسالہ ابوہ ان یطلق امرأته**‘‘ کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے جس کے الفاظ بذیل ہیں:۔

عن ابن عمرؓ قال کانت تحتی أمرأة احبها وكان ابی یکرهها فأمرنی أن اطلقها فابیت فذكرت ذالک للنبی صلی الله علیه وسلم فقال یا عبد الله بن عمر طلق أمرأتک ،هذا حدیث حسن صحیح انما نعرفه من حدیث ابن ابی ذئب. الترمذی (۱/۲۲۶،سعد بک ڈپو)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میری ایک اہلیہ تھی جس کو میں بہت چاہتا تھا لیکن میرے والدصاحب ان کو ناپسند کرتے تھے،میرے والد محترم نے مجھے حکم کیا کہ اس کوطلاق دیدوں، میں نے طلاق دینے سے انکار کیا، پس میں نے اس کا تذکرہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا تو آپ علیہ الصلوۃ والتسلیم نے مجھے خطاب فرمایا اے عبداللہ بن عمر اپنی اہلیہ کوطلاق دیدو۔

اس حدیث مبارک کے ظاہر سے تو پتہ چلتا ہے کہ والدین اگر بہوکو ناپسند کرتے ہوں اور وہ بیٹے کوطلاق دیئے جانے کا حکم کریں تو طلاق دیا جانا مشروع ہے؟ جو کہ سوال میں پوچھا بھی گیا ہے۔کیا یہ حکم علی الاطلاق ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے،اس چیز کی واقفیت کے لئے اس مسئلہ کی تفصیل میں جانا ضروری ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان ’’ فقال یا عبد الله طلق امرأتک ‘‘ شارحین احادیث کے اقوال کی روشنی میں:۔

ملاعلی قاریؒ نے ’’باب البر والصلة‘‘ کی فصل ثالث میں اس حدیث پاک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

قوله : طلقها : أمر ندب أو وجوب ان کان هناک باعث آخر. مرقاة المفاتیح (۷/۳۰۹۷،رقم:۴۹۴۰)۔

’’**طلقها**‘‘ کاحکم اصلاً استحباب کے لئے ہے یاوجوب کے لئے اگرکوئی دوسرا سبب وہاں پایا جائے۔یعنی عمومی اعتبار سے یہ حکم صرف استحباب کا درجہ رکھتا ہے نہ کہ وجوب کا،اس لئے کہ وجوب کے لئے کسی سبب یا قرینہ کا پایا جانا ضروری ہے۔اسی چیز کی تفصیل وتائید میں آگے لکھتے ہیں:

اما باعتبار اصل الجواز فلا یلزمه طلاق زوجة أمراه بفراقها وان تأذیا ببقائها ایذأ شدیدا ً لانه قد یحصل له ضرر بها فلا یکلفه لاجلهما اذ من شأن شفقتهما انهما لو تحققا ذالک لم یأمراه به فالزامهما له به مع ذالک حمق منهما ولا یلتفت الیه۔

اصل جواز کا اعتبار کرتے ہوئے بیٹے پر بیوی کو طلاق دینا لازم نہیں ہے جس کو چھوڑنے کا والدین حکم کریں اگر چہ اس کو نکاح میں باقی رکھے جانے کی وجہ سے والدین کو اذیت شدید پہنچے، اس لئے کہ بیوی کو چھوڑ دینے کی وجہ سے بیٹے کو ضرر لاحق ہوگا والدین کے حکم کی وجہ سے اس کو اس کا مکلّف نہیں بنایا جا سکتا ہے الخ۔

دوسری ایک اور جگہ ابن حجرؒ کا قول تائیداً نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

عن معاذؓ قال أوصانی رسول اللہ صلى الله عليه وسلم بعشر كلمات (ملخصاًالی قوله)ولا تعقن والديک وان امراک أن تخرج من اهلک ومالک قال ابن حجر شرط للمبالغة بأعتبار الاکمل... اما باعتبار اصل الجواز فلا يلزمه طلاق زوجة أمراه بفراقها وان تأذيا ببقائها ايذأ شديداً لانه قد يحصل له ضرر بها فلا يكلفه لاجلهما اذ من شأن شفقتهما انهما لو تحققا ذالک لم يأمراه به فالزامهما له به مع ذالک حمق منهما ولا يلتفت اليه وكذالک اخراج ماله۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں'' **وان امراک أن تخرج من اهلک ومالک**'' کامل طریقہ پر والدین کی اطاعت کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو مبالغہ کے لئے شرط بنایا گیا ہے اور اصل جواز کا اعتبار کرتے ہوئے بیٹے پر بیوی کو طلاق دینا لازم نہیں ہے۔۔۔۔والدین کا بیٹے کو اس طرح کا حکم کرنا محض حماقت اور جہالت ہے اور اس حکم کا پورا کیا جانا بیٹے پر واجب نہیں ہوگا اور نہ وہ گنہگار کہلائے گا الخ۔

محشی'' **مشکوۃ المصابیح**'' نے''**لمعات**'' کے حوالہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان'' **طلقھا**'' کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے:

قوله: طلقها : ان كان الحق فی جانب الوالدين فطلاقها واجب للزوم العقوق فی الحقوق وان كان فی جانب المرأة فان طلقها لرضاء الوالدين فهو جائز .مشكوة المصابيح مع الحاشية ،باب البر والصلة ، الفصل الثالث۔(۴۲۱)۔

صاحب لمعات لکھتے ہیں: اگر بیوی کو رکھنے میں والدین کے حقوق ضائع ہو رہے ہوں جن حقوق کی تکمیل واجب ہے تو اس صورت میں طلاق دینا واجب ہے حقوق میں عقوق کے لازم آنے کی وجہ سے اور اگر بیوی کے حقوق ضائع ہو رہے ہوں پھر بھی بیٹا والدین کی رضامندی کے لئے اپنی بیوی کو طلاق دے تو طلاق دینا جائز ہے۔

محشی'' **رياض الصالحين**''علامہ شیخ محمد صابونیؒ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال الشيخ محمد علی الصابونی فی حاشيته علی رياض الصالحين : انما أمره رسول الله صلى الله عليه وسلم بطلاقها ؛ لأنه يعلم أن عمر لا يكره زوجة ابنه الا لأمر دينی فهو يريد لولده زوجة أتقی لله وأفضل ،وقد جعل الله الحق علی لسان عمر رضی الله عنه وقلبه ، وليس كل أب يأمر ولده بطلاق زوجته تجب طاعته۔(۹۹، المصباح لاهور)

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابن عمرؓ کو طلاق کا حکم دینا اس لئے تھا کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام جانتے تھے کہ حضرت عمرؓ کا اپنے بیٹے کی بیوی کو ناپسند کرنے کی وجہ کوئی دینی وجہ ہی ہوگی اور وہ اپنے بیٹے کے لئے افضل اور پرہیزگار اہلیہ چاہتے ہونگے۔۔۔۔عمومی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو اس معاملہ میں ہر باپ کی اطاعت واجب نہیں ہے۔

شیخ الہندؒ نے'' تقریری ترمذی''میں'' **باب ما جاء فی الرجل يسأله ابوه أن يطلق امرأته**'' کے ذیل میں لکھا ہے:

قال الفقهاء وان كان القصور من الزوجة فالاطاعة واجبة .الخ تقرير الترمذی لشيخ الهند(۳۴،مکتبہ بلال دیوبند)۔

فقہاء نے کہا ہے اگر بیوی قصوروار ہو تو اس صورت میں والدین کی اطاعت واجب ہے یعنی بیوی کو طلاق دینا واجب ہوگا۔

اس حدیث مبارک سے متعلق شارحین احادیث کی توضیحات وتشریحات سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ کہ اگر والدین بہو کو ناپسند کرنے کی وجہ سے بیٹے کو طلاق کا حکم کریں تو والدین کے محض ناپسند کرنے کی وجہ سے بیٹے کے لئے بیوی کو طلاق دینا جائز نہ ہوگا اور اس حکم میں بیٹے پر والدین کی اطاعت

لازم نہیں ہے۔

اس لئے کہ والدین کی اطاعت اور نافرمانی سے متعلق جو امور ہیں وہ تین قسم کے ہیں:

الف:۔ وہ امور جو شرعا واجب ہوں اور والدین اس سے منع کریں تو اس صورت میں ان کی اطاعت جائز بھی نہیں واجب ہونے کا تو کیا احتمال ہے۔

ب:۔ جو امور شرعا ناجائز ہوں اور ماں باپ ان کے کرنے کا حکم کریں اس صورت میں بھی ان کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

ج:۔ جو امور شرعا نہ واجب ہوں نہ ممنوع بلکہ مباح ہوں خواہ مستحب ہی کیوں نہ ہوں اور والدین ان کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم کریں تو اس صورت کے حکم میں تفصیل ہے:۔

الف:۔ اگر اس کام کے کرنے میں نفس الامر کے اعتبار سے بیٹے کو ضرر اور تکلیف ہو، تب تو اس صورت میں والدین کی اطاعت ضروری نہیں ہے۔

ب:۔ اگر اس کام کے کرنے میں خود اس کی ذات کو کوئی خطرہ نہیں یا والدین کی تکلیف وضرر کا اندیشہ ہے تو ان معاملات میں والدین کی اطاعت واجب ہے۔

ج:۔ اگر ان مذکورہ دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں ہے نہ اس کی ذات کو کوئی خطرہ ہے نہ ان کی تکلیف ومشقت ظاہری کا کوئی احتمال ہے تو اس صورت میں ان کی ممانعت کے باوجود ایسا کام کرنا جائز ہوگا گو مستحب یہی ہے کہ اس وقت بھی والدین کی اطاعت کو ترجیح دے۔

چونکہ طلاق میں اصل حکم حظر کا ہے تو اس صورت میں والدین کے حکم کی اطاعت لازم وواجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ طلاق کو مصلحۃً مشروع کیا گیا ہے اور والدین کا بہو کو ناپسند کرنا یہ کوئی ایسی مصلحت نہیں ہے جس کی وجہ سے طلاق دیدینا جائز ہو جائے۔ چنانچہ فقہاء کی مندرجہ ذیل عبارات اسی طرف مشیر ہیں:

علامہ شامیؒ تحریر کرتے ہیں:

وأما الطلاق فان الاصل فيه الحظر ،بمعنى أنه محظور الا لعارض يبيحه ،وهو معنى قولهم : "الاصل فيه الحظر" والاباحة للحاجة الى الخلاص ،فاذا كان بلا سبب اصلا لم يكن فيه حاجة الى الخلاص ، بل يكون حمقا وسفاهة رأى ومجرد كفران النعمة واخلاص الايذاء بها وباهلها واولادها ، ولحذا قالو : ان سببه الحاجة الى الخلاص عند تباين الاخلاق وعروض البغضاء الموجبة عدم اقامة حدود الله تعالى ،فليست الحاجة مختصة بالكبر والريبة كما قيل بل هي اعم كما اختاره في "الفتح " فحيث تجرد عن الحاجة المبيحة له شرعا يبقى على اصله من الحظر .شامي ۔(۳۱۵/۴، دار الکتاب)۔

علامہ شامی کی اس عبارت کا آخری حصہ " **فحيث تجرد عن الحاجة المبيحة له شرعا يبقى على اصله من الحظر** " یہ واضح کرتا ہے کہ جب حاجت مبیحہ طلاق کی نہ پائی جائے تو اس صورت میں طلاق اپنی اصل پر باقی رہیگا یعنی طلاق دینا جائز نہ ہوگا۔ یہی نوعیت ہمارے دوسرے سوال کی ہے کہ یہاں بھی محض والدین کا بہو کو ناپسند کرنا طلاق کے مباح ہونے کا سبب نہیں بن سکتا ہے۔ اور بچوں کے لئے اس جہت سے والدین کی اطاعت لازم نہ ہوگی۔

رہی بات حدیث ابن عمرؓ کی تو اس کے بارے میں علماء کا کہنا ہے کہ اس کو استحباب پر محمول کیا جائے گا یا حضرت عمرؓ کا بیٹے کو طلاق کا حکم دینا کسی صحیح سبب کی وجہ سے ہوگا۔ حکیم الامت علامہ تھانوی نور اللہ مرقدہ کا رجحان بھی یہی نظر آتا ہے کہ محض بہو کو ناپسند کرنے کی بناء پر ابن کے لئے طلاق دینا جائز نہیں ہے۔

وحديث ابن عمر يحمل على الاستحباب او على ان امر عمر كان عن سبب صحيح۔ امداد الفتاوی۔(۵۲۶/۴)۔

الموسوعة الفقهية کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے جو ابن عمرؓ کو طلاق کا حکم دیا تھا وہ کسی دینی مصلحت اور

ضرورت کی وجہ سے تھا چنانچہ موسوعہ فقہیہ کویت میں اس حدیث مبارکہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا گیا ہے کہ:

امام احمد ابن حنبلؒ سے کسی آدمی نے سوال کیا کہ میرے والدین مجھے بیوی کو طلاق دینے کے لئے کہہ رہے ہیں تو کیا میں اس کو طلاق دیدوں؟ آپ نے کہا اس کو ہر گز طلاق نہیں دینا۔سائل نے حضرت ابن عمرؓ کے واقعہ کا حوالہ دیا تو آپؒ نے جواباً فرمایا کہ جب تک کہ تمہارے والد عمرؓ جیسے نہ بن جائیں۔یعنی حضرت عمرؓ کا بیٹے کو طلاق کا حکم دینا مصلحت اور اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہیں ہوسکتا اس لئے کہ حضرت عمرؓ حق و باطل کی صحیح پہچان کے حامل تھے۔

وسأل رجل الامام احمد فقال : ان ابی یأمرنی ان اطلق امرأتی .قال: لا تطلقها .قال : أليس عمرؓ أمر ابنه عبد الله أن يطلق أمرأته ؟ قال : حتی یکون أبوک مثل عمر .الموسوعة الفقهية الکوتية۔(۷۱/۸)۔

مذکورہ بالا تفصیلات کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسرے سوال کا جواب خلاصۃ درج ذیل ہے:

خلاصہ جواب سوال نمبر دو:۔

والدین کا بہو کو ناپسند کرنے پر بیٹے کو طلاق کے لئے حکم کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ ہی بیٹے پر اس حال میں بیوی کو طلاق دینا واجب ہے۔

اس امر میں بیٹے کے لئے والدین کی اطاعت لازمی نہیں ہے۔

البحث الثالث عن السوال الثالث:۔

تیسرے سوال کا پہلا جزیہ ہے کہ ''کیا مطلقہ کے لئے بعد از عدت نفقہ کے لئے عدالت سے رجوع کرنا شرعا درست ہے''؟۔

قرآن پاک کی نصوص اور احادیث مبارکہ کے ظاہر نیز فقہاء ملت کے اقوال سے تو واضح ہوتا ہے کہ عورت کے لئے بعد از عدت نفقہ کے لئے عدالت سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔چنانچہ مندرجہ ذیل عبارات ملاحظہ ہوں:۔

عن عمرؓ أنی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول : للمطلقة الثلاث النفقة والسکنی ما دامت فی العدة.نصب الرية :کتاب الطلاق :باب النفقة۔(۲۷۳/۳)

عن ابی حرة الرقاشی : عن عمه ، أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال : لا يحل مال أمری مسلم الا بطیب نفس منه .شعب الایمان :باب فی قبض الید عن الاموال المحرمة،دار الکتب العلمیة بیروت۔(۳۸۷/۴)

واذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسکنی فی عدتها رجعیا کان او بائنا.هدایه : کتاب الطلاق باب النفقة (۴۴۳/۲)

لان النفقة منوطة بالعدة ولا نفقة بعد العدة .حاشية شرح الوقاية : کتاب الطلاق ،باب النفقة۔(۱۷۸/۲)

لا یجوز لاحد أن یتصرف فی ملک الغیربغیر اذنه ،ولا یجوز لاحد أن يأخذ مال احد بلا سبب شرعی.قواعد الفقه۔(۱۱۰)

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورت کو بعد عدت عدالت کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت کیوں آتی ہے؟ کیا وہ جان بوجھ کر طالق یا اس کے گھر والوں کو پریشان کرنے یا اپنی ضد کی وجہ سے ہے تو اس صورت میں تو عدالت سے رجوع کرنا جائز نہ ہوگا۔اور اگر ایسی کوئی صورت نہیں ہے بلکہ مرد کی طرف سے زیادتی وظلم کی بنا پر اس نے ایسا کیا ہے تو ظلم وزیادتی کے دفاع کے لئے اور اپنے مستقبل کو مزید خراب ہونے سے بچانے کے لئے رجوع کرنا جائز ہوگا۔اس صورت میں گویا وہ اپنی بے بسی اور لاچاری کی وجہ سے تعاون کی طلبگار ہوگی جو کہ اس کا حق لازمی ہے اور اپنے حقوق کی طلب میں وہ اگر عدالت کی طرف رجوع ہو جاتی ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہیئے۔

تیسرے سوال کے دوسرے جز کے جواب کی طرف جانے سے پہلے ضروری ہے کہ اسلام میں تعزیرات کا حکم معلوم کیا جائے۔اس لئے کہ یہ مسئلہ تعزیرات ہی سے متعلق ہے۔

تعزیر کی تعریف:۔

تعزیر: فقہ کی اصطلاح میں تعزیر ان جرائم پر دی جانے والی سزاؤں کو کہتے ہیں جن جرائم وجنایات کی کتاب وسنت میں سزائیں متعین نہیں ہیں۔ چاہئے ان جرائم کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے ہو۔

علامہ وھبہ زحیلی ''الفقه الاسلامی وادلته'' میں لکھتے ہیں:

التعزير هو العقوبة المشروعة التى يوقعها القاضى على معصية ، أو جناية ، لا حد فيها ولا كفارة ، سواء أكانت الجناية على حق الله تعالى كالأكل فى نهار رمضان بغير عذر ، أم على حقوق العباد كالرشوة أو أى نوع من انواع السب والشتم ونحوه .الفقه الاسلامى وادلته۔(۱۹۷/۶)۔

تعزیر کا ثبوت:۔

قرآنی آیات:۔

''تعزیر جگقرآن مجید سے ثابت ہےقرآن پاک میں ناشیزہ بیوی کومناسب سرزنش کرنے کی اجازت دی گئی ہے،سورۃ النساء کی یہ آیت کریمہ اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے:

واللاتى تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فى المضاجع واضربوهن فان أطعنكم فلاتبغوا عليهن سبيلا .النساء ۔(۳۴)۔

احادیث مبارکه:۔

حدیث پاک میں بھی تعزیر کا ثبوت ملتا ہے۔ترمذی شریف میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: کوئی کسی کو یہودی یا مخنث کہے تو اسے بیس کوڑے مارے جائیں۔

علامہ ترمذیؒ ''باب فيمن يقول للاخر يا مخنث'' کے تحت حضرت ابن عباس سے روایت نقل فرماتے ہیں:

عن ابن عباسؓ عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اذاقال الرجل للرجل يايهودى فاضربوه عشرين واذا قال يا مخنث فاضربوه عشرين ومن وقع على ذات محرم فاقتلوه الخ .الترمذى ۔(۲۷۱،۲۷۰/۱)

اسی طرح ابوداؤد کی ایک حدیث مبارکہ میں مال غنیمت میں خیانت کرنے والوں کے سامان جلا ڈالنے اوران کو مار پیٹ کرنے کا حکم دیا گیا۔

عن عمر بن الخطابؓ عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه واضربوه الخ .ابو داؤد ۔(۳۷۱/۱)۔

عمل صحابه:۔

تعزیر عمل صحابہؓ اوراقوال صحابہؓ سے بھی ثابت ہے:

ابوداؤد، بخاری،ابن حبان نے نافع سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے اپنے ادوار میں جرائم کی تعزیر میں مارنے اور شہر بدر کرنے جیسی سزائیں نافذ کی ہیں۔

عن نافع عن ابن عمرؓ أن ابا بكر الصديقؓ ضرب وغرب ،وأن عمرؓ ضرب وغرب.ابو داؤد ،احمد ،ابن حبان.بحواله التعزير فى الاسلام۔(۱۲)۔

اجماع امت:۔

اس کے علاوہ جرائم پر سزاؤں کے نفاذ میں دیگر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکر کتابوں میں موجود ہے خصوصا حضرت علیؓ، ابی ابن کعبؓ، اُبوذرؓ سے جرائم کی تعزیر میں مختلف احوال کے اعتبار سے سزائیں دینا ثابت ہے۔اسی طرح دور صحابہ میں مختلف مقامات پر جرائم پیشہ لوگوں کی تأدیب کے لئے قید خانوں کا بنانا اجماع کو ثابت کرتا ہے جس پر کسی کی نکیر نہیں۔

تعزیر کن جرائم پر ہوگی:۔

کن جرائم پر تعزیر ہوگی؟ اس کی کوئی تحدید نہیں ہے وہ معمولی سے معمولی جرم بھی ہوسکتا ہے اور بڑے سے بڑا جرم بھی مگر شرط ہے کہ اس پر کوئی شرعی حد مقرر نہ ہو۔

چاہئے ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے ہو۔

ڈاکٹر فلاح سعدالدلوانی تصنیف ''**دور التعازیر فی الحد من الجرائم فی المجتمع السلامی**''میں''**التعزیر فی السلام**''اور ''**تبیین الحقائق**''، ''**نهایة المحتاج**''، ''**کشاف القناع**'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

أن عقوبة التعزیر واسعة المدی ،وتشمل جمیع المخالفات الشرعیة تقریبا ،وتتناول جمیع الجرائم والجنایات الا ما ورد فی شأنه حد مقدر أو کفارة.دور التعازیر فی الحد من الجرائم فی المجتمع السلامی۔(۱۴)

اقسام تعزیر:۔

تعزیراً جو سزائیں دی جاتی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

تعزیر بالحبس ، تعزیر بالقتل ، تعزیر بالمال،تعزیر بالجلد،

تعزیر بالحبس:.تعزیر بالحبس کی مشروعیت کے قائلین فقہاء کی ایک بڑی جماعت ہے ان کی دلیل بہزابن حکیم کی وہ روایت ہے جس کو احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، نے نقل فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمت کی بناء پر ایک آدمی کو قید فرمایا۔

حضرت عمر فاروقؓ سے متعلق بھی کتابوں میں یہ ذکر آیا ہے کہ ان کے یہاں ایک قید خانہ تھا جس کو **تعزیر بالحبس** میں کام میں لایا جاتا تھا اور حضرت عثمان غنیؓ نے بھی اس امر میں ان کی موافقت فرمائی۔

مشائخ احناف نے مشروعیت حبس کی دلیل میں قرآن پاک کی آیت مبارکہ''**أو ینفوا من الارض**''(المائدۃ:۳۳) کو مستدل بنایا ہے اور وجہ استدلال یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں لفظ''**ینفوا**'' سے مراد''**الحبس**'' ہے۔مشائخ احناف میں اس کو بیان کرنے والے صاحب تبیین الحقائق اور علامہ جصاص ہیں۔ملاحظہ ہو تبیین الحقائق:(۲۰۸/۳) اور احکام القران للجصاص:(۴۱۲/۲)۔

ڈاکٹر علامہ وھبہ زحیلی''**متی یشرع الحبس؟**''عنوان کے تحت رقمطراز ہیں:

قال جماعة من الفقهاء بمشروعیة الحبس ،بدلیل أن النبی صلی الله علیه وسلم حبس رجلا فی تهمة ، ثم خلی عنه، وهذا هو الحبس الاحتیاطی .وقال علیه السلام : ''لی الواجد یحل عرضه وعقوبته''.وثبت أن عمر بن الخطابؓ کان له سجن ، وتبعه فی ذالک عثمان ،وتبعه فی ذالک عثمانؓ وعلیؓ .واستدل الحنفیة علی مشروعیة الحبس بقوله تعالی ''أو ینفوا من الارض'' قالوا : والمقصود من النفی هو الحبس .الفقه الاسلامی وادلتة : الهدای انٹرنیشنل۔(۱۸۶/۶)۔

آٹھ مواقع پر احتیاطاً تعزیر ''بالحبس'' مشروع ھے:۔

علامہ قرافیؒ ایسے آٹھ مواقع کا بیان کیا ہے جہاں''تعزیر بالحبس''مشروع ہے:

الف:۔ مجنی علیہ کی عدم موجودگی میں جانی کو محبوس رکھا جائیگا عمل قصاص کی حفاظت کے لئے۔

ب:۔ عبد آبق کوایک سال تک محبوس رکھا جائیگا جب تک اس کے مالک کا پتہ چل جائے، اس کی مالیت کی حفاظت کے لئے۔

ج:۔ حق واجب کوادانہ کرنے والا شخص محبوس کیا جائیگا جوحق کہ ثابت بھی ہو چکا ہو۔

د:۔ عدم ادائے نفقہ وغیرہ کی صورت میں جس شخص کا حال واضح نہ ہو کہ موسر ہے یا معسر ہے، حال کے تعین تک اس کو محبوس رکھا جائیگا۔

ہ:۔ شرعی امور کی علی الاعلان خلاف ورزی کرنے والے کو تعزیراً اور تنبیہاً مقید کیا جائیگا۔

و:۔ قید کیا جائیگا اس شخص کو جو حقوق العباد سے متعلق تصرفات واجبی کی ادائیگی سے اعراض کرتا ہو جن میں کہ نیابت جائز نہیں ہے۔

ز:۔ جو شخص کسی مجہول شئی کے ضامن ہونے کا اقرار کرے تو جب تک وہ اس شئی کی تعیین نہیں کرتا ہے اسے حبس رکھا جائیگا۔

ح:۔ ایسے شخص کو جو ان حقوق اللہ کو جان بوجھ کر ترک کرنے والا ہو جن میں نیابت مشروع نہیں ہے اس کو بھی محبوس کیا جائیگا۔ یہ حکم شوافع کے یہاں ہے جیسے جان بوجھ کر روزہ ترک کرنے والا۔ مالکیہ کے یہاں ایسے حقوق کے ترک میں تعزیراً قتل کیا جائیگا نماز کو ترک کرنے والے کی طرح۔

علامہ وھبہ زحیلی: ''الفروق: (۷۹/۴)، الاعتصام: (۱۲۰/۲)، الطرق الحکمیة لابن القیم: (۱۰۱): کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

ویشرع الحبس فی ثمانیة مواضع، کما أبان القرافی المالکی:

الاول:۔ یحبس الجانی لغیبة المجنی علیه، حفظا لمحل القصاص.

الثانی:۔ حبس الآبق سنة، حفظا للمالیت رجاء أن یعرف صاحبه.

الثالث:۔ یحبس الممتنع عن دفع الحق الجاء الیه.

الرابع:۔ یحبس من أشکال أمره فی العسر والیسر، اختبارا لحاله، فاذا ظهر حاله حکم بموجبه عسرا او یسرا.

الخامس:۔ الحبس للجانی تعزیرا وردعا عن معاصی الله تعالی.

السادس:۔ یحبس من امتنع من التصرف الواجب الذی لا تد خله النیابة من حقوق العباد.

السابع:۔ من أقر بمجهول، عینا أو فی الذمة وامتنع من تعیینه فیحبس حتی یعینه.

الثامن:۔ یحبس الممتنع فی حق الله تعالی الذی لا تدخله النیابة عند الشافعیة کالصوم. وعد المالکیة: یقتل کالصلاة. الفقه الاسلامی وادلتة. (۱۸۶/۶،۱۸۷)۔

التعزیر بالقتل:۔

احناف اور مالکیہ نے سیاسۃ (یعنی امن عامہ کو مدنظر رکھتے ہوئے) تعزیر بالقتل کی مشروعیت کو جائز قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

جب جرائم کی کثرت ہو اور جرائم سماج میں تعدی پارہے ہوں یا لواطت جیسے قبیح فعل میں کوئی مبتلا ہو یا بوجھ تلے دب کر مرنے والے شخص سے متعلق حکم کو نافذ کرنا ہو تو ان تمام صورتوں میں احناف اور مالکیہ کے یہاں سیاسۃ تعزیر بالقتل کا جواز بیان کیا گیا ہے۔ مگر یہ جب ہی ہے جب حاکم تعزیر بالقتل میں مصلحت سمجھے اور جرائم بھی ایسی جنس کے ہوں جو وجوب قتل کا تقاضہ کرتے ہوں۔ اسی بنیاد پر اکثر مشائخ حنفیہ نے شاتم رسول (ﷺ) کے قتل کئے جانے کی سزا کا فتوی دیا ہے چاہئے وہ ذمی ہو یا مسلمان ہو۔

نیز فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام کے لئے جائز ہے سارق کو تعزیراً قتل کرنے کا حکم دے جب کہ سارق سے بار بار سرقہ کا جرم پایا جائے۔ اسی طرح جو آدمی لوگوں کا گلا گھونٹ کر امن کو خراب کرنے کے لئے قتل کرتا ہو اس کے لئے بھی سیاسۃً تعزیر بالقتل کا حکم دے۔ اسی طرح جس آدمی کے شر سے حفاظت کا سامان صرف تعزیراً قتل کرنا ہو اس کو بھی ''سیاسۃً تعزیر بالقتل'' کے حکم میں شامل کیا گیا ہے۔ ساحر کے بارے میں اور اسی طرح اس زندیق کو جو زندیقیت کی طرف لوگوں کو مائل کرتا ہو اکثر علماء نے تعزیراً قتل کئے جانے کے جواز کو بیان کیا ہے۔

الغرض ملکی امن کے بقاء اور سماج کے تحفظ کے لئے فقہاء نے تعزیراً قتل کی اجازت دی ہے۔اس سے متعلق عبارات ملحوظ ہوں:۔

ڈاکٹر علامہ وھب زحیلی ''التعزیر بالقتل سیاسة'' عنوان کے ذیل میں ''شامی'' اور ''الشرح الکبیر'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

أجاز الحنفية والمالكية :أن تكون عقوبة التعزير كما فى حال التكرار (العود)أو الاعتياد الاجرام، أو المواقعة فى الدبر (اللواطة)، أو القتل بالمثقل عند الحنفية: هى القتل ،ويسمونه القتل سياسة ،أى اذا رأى الحاكم المصلحة فيه ، وكان جنس الجريمة يوجب القتل.

وقد أفتى أكثر فقهاء الحنفية بناء عليه بقتل من أكثر من سب النبى ﷺ من أهل الذمة ،وان أسلم بعد أخذه ،وقالوا: بقتل سياسة .وأجمع العلماء كما قال قاضى عياض فى الشفا على وجوب قتل المسلم اذا سب النبى صلى الله عليه وسلم لقوله تعالى ''ان الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله فى الدنيا والاخرة واعد لهم عذابا مهينا ''.الاحزاب :(۵۷/۳۳)۔

وقالوا ايضا : ان للامام قتل السارق سياسة اذا تكررت منه جريمة السرقة ،وله قتل من تكرر من الخنق فى ضمن المصر ،لسعيه بالفساد فى الارض ،ومثله كل من لا يدفع شره الا بالقتل يقتل سياسة ،وكذالك يقتل الساحر عند أكثر العلماء ،والزنديق الداعى الى زندقته ،اذا قبض عليه ،ولو تاب .وقد روى الترمذى عن جندب موقوفا ومرفوعا : ''أن حد الساحر ضربه بالسيف''۔

آگے خلاصۃً لکھتے ہیں:

والخلاصة :أنه يجوز القتل سياسة لمعتادى الاجرام ومدمنى الخمر ودعاة الفساد ومجرمى أمن الدولة ،ونحوهم.الفقه السلامى وادلته ۔(۱۸۷/۶،۱۸۹)۔

تعزیر بالجلد:۔

ترمذی شریف میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: کوئی کسی کو یہودی یا مخنث کہے تو اسے بیس کوڑے مارے جائیں۔

علامہ ترمذیؒ ''باب فيمن يقول للاخر يا مخنث'' کے تحت حضرت ابن عباس سے روایت نقل فرماتے ہیں:

عن ابن عباسؓ عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اذاقال الرجل للرجل يايهودى فاضربوه عشرين واذا قال يا مخنث فاضربوه عشرين ومن وقع على ذات محرم فاقتلوه الخ.الترمذى ۔(۲۷۰/۱،۲۷۱)

اسی طرح ابوداؤد کی ایک حدیث مبارکہ میں مال غنیمت میں خیانت کرنے والوں کے سامان جلا ڈالنے اور ان کو مار پیٹ کرنے کا حکم دیا گیا۔

عن عمر بن الخطابؓ عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه واضربوه الخ .ابو داؤد ۔(۳۷۱/۱)۔

ان روایات کے متعلق محدثین نے لکھا ہے کہ یہ سزائیں قاضی اپنی صوابدید پر نافذ کرسکتا ہے نیز جرم کو دیکھتے ہوئے کبھی دونوں کو یکجا جاری کرسکتا ہے۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوالفقہ الاسلامی وادلتہ۔(۱۷۰/۶،۱۹۴)،التعزیر فی الاسلام وغیرہ۔

تعزیر مالی:۔

تعزیر کے باب میں ایک اہم مسئلہ تعزیر مالی کا ہے جو کہ ہمارے تیسرے سوال کے دوسرے جز سے متعلق ہے، کے بارے میں تفصیل مندجہ ذیل ہے:۔

ائمہ اربعہ کا راجح مسلک یہی ہے کہ مالی تاوان و جرمانہ جائز نہیں ہے۔ گو مالکیہ، حنابلہ، شوافع کی طرف سے اس کے جواز کی نسبت کی گئی ہے۔

علامہ وھبہ زحیلی ''التعزیر بالمال'' عنوان کے تحت ''بدائع ، فتح القدير ، تبيين الحقائق ، رد المحتار ، مغنى المحتاج ،المهذب ،حاشية الدسوقى ، المغنى الاعتصام للشاطبى ،شرح مسلم للنووى ، الحسبة فى الاسلام لابن تيمية ، اعلام الموقعين ، الطرق الحكمية لابن القيم ، التعزير فى الشريعة الاسلامية'' کے حوالہ سے لکھا ہے:

لا يجوز التعزير بأخذ المال فى الراجح عند الائمة لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس ،فيأكلونه . وأثبت ابن تيمية وتلميذه ابن القيم أن التعزير بالعقوبات المالية مشروع فى مواضع مخصوصة فى مذهب مالك فى المشهور عنه ، ومذهب احمد وأحد قولى الشافعى ، كما دلت عليه سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل أمره بمضاعفة غرم ما لا قطع فيه من الثمر المعلق والكثر (جمار النخل) ،وأخذه شطر مال مانع الزكاة ،عزمة مات الرب تبارك وتعالى ،ومثل تحريق عمر وعلى المكان الذى يباع فيه الخمر ، ونحوه كثير .الخ الفقه الاسلامى وادلته۔(۱۸۹/۶: تھانوی)۔

تعزیر مالی کے متعلق فقہاء نے اپنی اپنی کتابوں میں تفصیلی بحث کی ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں احناف میں حضرات طرفین کے نزدیک مالی جرمانہ سرے سے ہی جائز نہیں ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حاکم وقت کے لئے تعزیر مالی کو جاری کرنا جائز و درست ہے۔

کیا ''تعزیر مالی'' کا حکم منسوخ ہے ؟:۔

فقہاء نے حضرات طرفین کے نزدیک عدم جواز کی جو بات نقل فرمائی ہے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ تعزیر مالی شروع اسلام میں جائز تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ لیکن ''فقه السنة''،''الفقه الاسلامى وادلته'' کے اندر منسوخ ہونے کی بات کی تردید کی گئی ہے کہ جن لوگوں نے اس بات کا دعوی کیا ہے کہ مالی جرمانہ شروع اسلام میں جائز تھا بعد میں منسوخ ہو چکا ہے ان لوگوں کے پاس منسوخ ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور یہ دعوی بلا دلیل کے ہے اس لئے یہ حکم آج بھی بدستور باقی ہے۔

مندرجہ بالا گفتگو سے متعلق فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہوں:

''فقہ السنۃ'' میں تعزیر مالی سے متعلق حکم کے اجراء اور اس حکم کے بدستور عملائے جانے کے سلسلے میں لکھا ہے:

ومن قال : ان العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الائمة نقلا واستدلالاً ،وليس يسهل دعوى نسخها والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا اجماع يصح دعواهم .فقه السنة(۵۳۵/۲)

علامہ وھبہ زحیلی نے ''التعزير بالمال'' عنوان کے ذیل میں شرح مسلم للنووى ، الحسبة فى الاسلام لابن تيمية ، اعلام الموقعين ، الطرق الحكمية لابن القيم ، التعزير فى الشريعة الاسلامية'' کے حوالہ سے لکھا ہے:

ومن قال كالنووى وغيره :ان العقوبات المالية منسوخة ، وأطلق ذالك ، فقد غلط فى نقل مذاهب الائمة والاستدلال عليها.الخ الفقه الاسلامى وادلته۔(۱۸۹/۶: تھانوی)۔

علامہ جمال الدین زیلعیؒ نے امام ابو یوسف کا قول ان لفظوں میں نقل فرمایا ہے:

وعن ابى يوسف أن التعزير بأخذ المال جائز للامام .تبيين الحقائق(۲۰۸/۳: امدادیہ ملتان، قدیم)

''تبيين الحقائق'' ہی کے حاشیہ میں علامہ چلپیؒ نے اسی چیز کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

وعن ابى يوسفؒ أن التعزير بأخذ المال جائز للامام وعندهما والشافعى ومالك واحمد لا يجوز بأخذ المال ،وما فى الخلاصة : سمعت من ثقة أن التعذير بأخذ المال ان رأى القاضى ذالك أو الوالى جاز ، ومن جملة ذالك رجل لا يحضر

الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال مبنی علی اختیار من قال بذالک من المشائخ لقول أبی یوسفؒ .حاشیة چلپی علی الزیلعی ـ(۲۰۸/۳)

''الموسوعة الفقهیة ''میں اس پر یوں روشنی ڈالی گئی ہے:

الأصل فی مذهب ابی حنیفة أن التعزیر بأخذ المال غیر جائز ، فأبو حنیفة ومحمد لا یجیزانه ، بل ان محمدا لم یذکره فی کتاب من کتبه ، أما ابو یوسفؒ فقد روی عنه أن التعزیر بأخذ المال من الجانی جائز أن رؤیة فیه مصلحة .الموسوعة الفقهیة الکوتیة ـ(۲۷۰/۱۲)ـ

محقق علامہ ابن الہمامؒ نے اسی قول کو قدرے تفصیل سے کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

یجوز تعزیره بأخذ المال مبنی علی اختیار من قال بذالک من المشائخ کقول ابی یوسفؒ ،وقال التمرتاشی : یجوز التعزیر الذی یجب حقا لله تعالی لکل أحد بعلة النیابة عن الله تعالی .فتح القدیر :زکریا ـ(۳۳۰/۵)ـ

علامہ شامیؒ نے اس پر تفصیلی بحث فرمائی ہے تلخیصاً عبارت ملاحظہ ہو:

لأ بأخذ المال فی المذهب (بحر) وفیه عن البزازیة وقیل: یجوز معناه أن یمسکه مدةلینزجر ثم یعیده له ،فأن أیس من توبته صرفه الی ما یری ، وفی المجتبی :أنه کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ ، ...وعن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقی لایجوز.الدر مع الرد :زکریا(۱۰۵/۶،۱۰۶)ـ

فتاوی بزازیہ میں اس مسئلہ کو ان الفاظ میں بیان گیا ہے:

والتعزیر بأخذ المال ان المصلحة فیه جائزة قال مولانا خاتمة المجتهدین مولانا رکن الدین أبو یحیی الخوارزمیؒ : معناه أن نأخذ ماله ونودعه ، فاذا تاب نرده علیه کما عرف فی خیول البغاة وسلاحهم ،وصوبه الامام ظهیر الدین التمرتاشی الخوارزمی ، قالوا : ومن جملة من لا یحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال.البزازیة علی الهندیة :زکریا ـ(۴۲۷/۶)ـ

ان عبارات کو مدنظر رکھتے ہوئے جہاں ذمہ دار شخصیت یا ادارہ تعزیر مالی کو جاری کرنا مصلحت سمجھتا ہو وہاں آج بھی تعزیر مالی جاری کرنے کی گنجائش ہے۔

اسی قول کو بنیاد بنائے جانے کے اعتبار سے جو شوہر بیوی کو بلا وجہ اور بغیر کسی ضرورت کے طلاق دے یا طلاق تو صرف ایک دینی تھی، تین دیدیں، یا بیوی کی طرف سے کوئی ایسا خاص سبب نہیں پایا گیا جس کی بنا پر طلاق دینا مباح ہو جاتا تھا پھر بھی طلاق دیدی تو ایسے حالات میں ذمہ دار ادارے اور ان جیسے امور کے مفوضہ شخصیات مصلحت کے پیش نظر مناسب تعزیر مالی جاری کر سکتے ہیں اور کچھ مقدار مال لیکر مطلقہ کے حوالہ کر سکتے ہیں۔

چنانچہ محقق ابن الہمامؒ کی تعزیر مالی سے متعلق عبارت میں علامہ تمرتاشی کے حوالہ سے جو قول نقل کیا گیا ہے وہ اسی کی طرف مشیر ہے۔عبارت ملاحظہ ہو:۔

یجوز تعزیره بأخذ المال مبنی علی اختیار من قال بذالک من المشائخ کقول ابی یوسفؒ ،وقال التمرتاشی : یجوز التعزیر الذی یجب حقا لله تعالی لکل أحد بعلة النیابة عن الله تعالی .فتح القدیر :زکریا ـ(۳۳۰/۵)ـ

عقوبة ذنب پر تعزیر مالی کا جواز:۔

چونکہ طلاق شرعی طریقہ پر نہ دینے کی وجہ سے ہمارا معاشرہ آج دونوں طرح کے حقوق ،حقوق اللہ اور حقوق العباد میں تعدی کے مرتکب ہیں بایں معنی کہ ایک تو شرعی طریقہ کار اور حکم کی خلاف ورزی ہو رہی ہے اور دوسری طرف طلاق دینے میں حد سے تجاوز کرنا ہے تو دونوں جہتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے

''معصیۃ فی حق اللہ ومعصیۃ فی حقوق العباد'' کو بنیاد بنا کر باعتبار تعزیر ذمہ دار ادارہ اسپر مالی تاوان کا حکم نافذ کرسکتا ہے۔اور اس کا تعلق اس صورت میں ''التعزیر المالی علی عقوبۃ الذنب'' کو بنیاد بناتے ہوئے جائز ہوگا۔

الدکتور فلاح سعد الدلو نے اپنی کتاب ''دور التعازیر فی الحد من الجرائم فی المجتمع الاسلامی ''میں ''عقوبۃ الغرامۃ المالیۃ ''عنوان کے ذیل میں ''تعزیر المال علی عقوبۃ الذنب'' پر گفتگو کرتے ہوئے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:۔

سادسا : عقوبۃ الغرامۃ المالیۃ: وھی الحکم علی المذنب بدفع مال عقوبۃ علی ذنبہ الخ۔

آگے اس پر دلیل دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ خلفاء راشدین کے قضایا اس چیز کی مشروعیت کے لئے کافی ہے۔لکھتے ہیں:

ومن قضایا الخلفاء الراشدین ، روی أن عمرؓ عزر بأتلاف الاموال ،فقد روی ابن حزم فی المحلی ، وأبو عبید فی کتاب الاموال أن عمرؓ بلغہ أن رجلا من السواد قد أثری فی تجارۃ الخمر فکتب الی والیہ أن اکسروا کل شئی قدرتم علیہ ،وسیروا کل ماشیۃ لہ ولا یأوین أحد لہ شیأ،وعاقب عبد الرحمن بن حاطب بن أبی بلتعۃ بتغریمہ ضعف قیمۃ الناقۃ ذبحھا عبیدۃ لأنہ السبب فی تجویعھم ، وأمر بتحریق قصر سعد بن أبی وقاص ، لما احتجب عن الرعیۃ وصار یحکم فی دارہ.دور التعازیر فی الحد من الجرائم فی المجتمع الاسلامی۔(ص:۲۶،۲۷)۔

حضرت عمر فاروقؓ ''طالق ثلاث'' کو درے مارتے تھے :۔

سعید ابن منصور نے سند صحیح کے ساتھ حضرت انسؓ سے حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق یہ نقل فرمایا ہے کہ جب ان کے پاس طالق ثلاث کو لایا جاتا تو آپؓ ان کی پیٹھ پر درے مارتے تھے۔

اسی طرح مصنف عبد الرزاق میں حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق ہی یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی خدمت میں ایک شخص کا مقدمہ لایا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دے رکھی تھی،حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے پوچھا کیا تم نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے؟ جوابا اس نے کہا نہیں میں تو کھیل رہا تھا۔تو اس شخص کو حضرت عمر فاروقؓ نے مسلسل درے مارے۔

وأخرج سعید بن منصور بسند صحیح عن أنسؓ أن عمرؓ کان اذا أتی برجل طلق أمرأتہ ثلاثا أوجع ظھرہ ضربا .

وروی عبد الرزاق عن عمرؓ أنہ رفع الیہ رجل طلق أمأتہ ألفا ،فقال لہ عمر : أطلقت أمرأتک ؟ قال : لا ،أنما کنت ألعب ...فعلاہ عمر بدرۃ .وقال : أنما یکفیک من ذالک ثلاث.فتاوی واقضیۃ أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب ۔(۱۴۲،۱۴۳: مکتبۃ القرآن:القاہرہ)۔

عن عبید اللہ بن العیزار أنہ سمع أنس بن مالکؓ یقول کان عمر بن الخطابؓ اذا ظفر برجل طلق أمرأتہ ثلاثا أوجع رأسہ بالدرۃ.المصنف لعبد الرزاق ۔(رقم:۱۱۳۴۵)۔

عدالتوں کی طرف سے ''بعد عدت نان ونفقہ کا حکم ''صرف سماجی جرائم کے سد باب کے لئے ہے نہ کہ اسلامی حکم ہے :۔

وجہ یہ ہے کہ غیر اسلامی ملک میں حبس، جلد،شہر بدر،قتل،جیسی تعزیرات کا نفاذ ناممکن ہے البتہ اگر مسلم پرسنل لاء بوڑ اور حکومتی اداروں میں اثر رسوخ رکھنے والے حضرات بلاوجہ طلاق دئے جانے ،یا خوامخواہ طلاق ثلاثہ دئے جانے ،اور اس طرح کے جرائم میں سد باب کے لئے حکومت وقت کے اس شعبہ سے متعلق اداروں کو ''حبس''،اور اس جیسی دوسری قسم کی تعزیرات اور اسلام میں ان کے متعلق تفصیلات سے باخبر اور ان کے جاری کرنے اور عملا ئے جانے کی کوشش کرتے تو ہمارے لئے تعزیرات مالی کا مسئلہ درپیش نہ ہوتا چونکہ اس طرح کی کوششیں یا تو ہوئی ہی نہیں اور اگر ہوئی بھی ہے تو ان اداروں میں اس کا

ادراک نہ ہونے کی وجہ سے نفاذ ناممکن ہے

تولامحالہ ایک ہی صورت بچتی ہے اوروہ یہ ہے کہ اس طرح کے جرائم میں چونکہ پہلے ہی سے ان کے یہاں مالی تعزیر بشکل ''بعدعدت نان ونفقہ کے حکم کا اجراء'' پایا جاتا ہے لہذا اس کو جوں کا توں باقی رہنے دیا جائے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ حکومت وقت کے اس شعبہ سے متعلق ادارے مالی تعزیر یعنی ''بعدعدت نان ونفقہ کا حکم''، مسلم پرسنل لاء کو بنیاد بناتے ہوئے نافذ نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ بے سہارا، مظلوم عورتوں یا طالق کے طلاق کو غیر ضروری استعمال کرنے پر بطور سزا نافذ کرتے ہیں جو کہ وہ اپنی صوابدید پر کرتے ہیں اوراس طرح کی کاروائیوں میں وہ مختار ہیں اور یہ حکم چونکہ وہ اسلامی اعتبار سے نافذ نہیں کرتے ہیں بلکہ سماجی جرائم کو مسدود کرنے کے لئے کرتے ہیں تو اسلام کے مخالف نہ ہونے کی وجہ سے اور سماج میں جرائم کو ختم یا کم کرنے کی بنا پر ان کا اجراء امن عامہ کے اعتبار سے ہوگا۔ امن عامہ اور ملکی سماج میں پائدار امن کے لئے سیاسۃ مالی تعزیر کا حکم اگر چہ اس کا عنوان ''بعدعدت نان ونفقہ'' ہے چونکہ اسلام کے خلاف بھی نہیں ہے لہذا اس کے جائز ہونے میں کوئی مانع بھی نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جو چیز شعائر دین میں سے ہو اور شعار اسلام کا احترام ترک کیا جائے بایں معنی کہ حکم شرع کے خلاف انسان نے جان بوجھ کر عمل کیا ہے تو ایسی چیزوں میں بھی تعزیر کا حکم ہے اور تعزیر میں کوئی شئی متعین نہیں ہے حسب جنایت اور حسب جرم قاضی اس میں اپنی صوابدید کے مطابق جانی کو مالی تعزیر بھی کرسکتا ہے۔ چونکہ طلاق بھی من جملہ شعائر میں سے ہے اس لئے اس کے غلط استعمال پر موجودہ حالات میں حسب امکان تعزیر مالی کا حکم نافذ کیا جانا جائز ہوگا۔

موجودہ دور میں مسلمانوں کی ذمہ داری صرف اس حد تک ہے کہ حالات کے موافق سماج کی برائی میں کمی یا ختم کرنے کی کوشش کرنا ہے اور یہ کوشش کرنا واجب ہے۔ اسی چیز کی طرف حکیم الامت مجدد ملت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے ایک سوال کے جواب میں تعزیرات پر گفتگو کرتے ہوئے ''استفتاء (رقم: ۶۴۶) میں اس کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

برحاکم واجب است کی مرتبہ جنایت وحالت جانی رابیند وہر دو امرامعان نفر رابکار بردہ چنیں سیاست تجویز کند کہ مقصود تعزیر کہ آنز جار از چنیں جنایت وعبرت مرناظرین راوحفظ احترام شعار دین درخصوص واقعہ است ازیں سیاست حاصل آید۔ امدادالفتاوی: دارالکتاب۔ (۵۴۱/۲)۔

عدالت کی طرف سے ''بعد عدت نان ونفقہ کا حکم'' تعاون محض ہے :-

رہی بات اس کو سابقہ شوہر کی طرف سے ''ھدیہ'' ماننے کی تو وہ مشکل ہے البتہ حکومت وقت کی طرف سے ''اعانت'' کہنے میں کوئی مانع بھی نہیں ہے۔ جب اس کو حکومت کی طرف سے ''تعاون'' مانیں گے تو اس صورت میں احقر کے نزدیک ''بے سہارا مطلقہ'' اور دیگر مطلقہ کے درمیان فرق کرنا غیر ضروری ہوگا۔

سیاسۃ تعزیر مالی میں ایک اہم مسئلہ:-

سیاسۃ تعزیر مالی میں ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ قاضی صرف چند ایام ''جانی'' کے مال کو اپنی تحویل میں لے سکتا ہے جب جانی تائب ہو تو اس صورت میں اس کے مال کو لوٹنا واجب ہے اور اگر توبہ نہ کرے تو قاضی اپنی صوابدید پر اس کو جہاں خرچ کرنا چاہئے خرچ کرسکتا ہے۔ یہ مسئلہ ہماری تمام کتب میں مذکور ہے البتہ یہاں اس مسئلہ میں جو کہ ہمارا موضوع ہے اب بظاہر توبہ کی کوئی شکل ہوتی ہی نہیں اس لئے کہ اختلافات کا ازدیاد یا طلقات ثلاثہ کا بیک وقت ایقاع اب توبہ کی شکل کے لئے مانع ہے لہذا یہاں طالق سے لئے گئے مال کو مطلقہ کی اعانت اور دلجوئی میں ہی خرچ کیا جائے۔

طلاق کا مروج طریقہ اور خلاف شرع استعمال ''واجب التعزیر جرم'' بن گیا ہے :-

طلاق کا بے جا استعمال پھر اس میں حد سے تجاوز کرنا اور بدون غور وفکر جلد بازی کرنا، شروع حالات میں اصلاح کی کوشش نہ کرنا، خاندان کے بااثر

وباصلاح اشخاص سے مشورہ نہ کرنا وغیرہ متعدد نافرمانیوں کا مجموعہ ہے لہذا دورحاضر میں واجب التعزیر جرائم میں شامل کرنا ناگزیر ہے۔اب چونکہ تعزیرات میں حبس، جلد، شہر بدر، قتل وغیرہ جیسی تعزیرات سے ملکی قانون مانع ہے صرف ایک صورت باقی رہتی ہے اور وہ یہ کہ ''مالی تعزیر'' کو اپنائے بنا کوئی چارہ کار نہیں۔

صاحب ''احسن الفتاوی '' کا رجحان بھی یہی نظر آتا ھے :۔

صاحب ''احسن الفتاوی'' کا رجحان بھی یہی نظر آتا ہے کہ موجودہ دور میں طلاق ''واجب التعزیر جرم'' بن گیا ہے۔آپ اسی طرح کے ایک استفتاء میں جس میں سائل نے ''ایقاع طلاق بطریق غیرشرعی'' کے بارے میں استفسار کیا ہے کہ کیا اس کو واجب التعزیر جرائم میں شامل کیا جانا چاہئے؟ کے متعلق حکم معلوم کرنا چاہا ہے۔استفادہ کے لئے سوال وجواب دونوں کو من وعن نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: آج کل معاشرہ میں ابغض المباح الی اللہ کی بہتات ہے،اس کے باعث اعتداء حدود اللہ،نشوز ذہن اور کثرت بغاوت ہے، بہر حال مرد کی جانب سے جائز طلاق تو محل کلام نہیں، تحقیق طلب امر یہ ہے کہ بغیر عذر شرعی مرد کا طلاق دیدینا یعنی ظالم بھی خود اور طلاق دینے پر جری بھی خود، ایسی صورت میں طلاق شرعاً تعزیری جرم ہے یا نہیں؟ تعزیر سے مراد یہ ہے کہ اہل قبیلہ وبرادری ایسے شخص سے نفرت بالقلب کے علاوہ معاشرتی مقاطعہ بھی کریں تاکہ احکام الٰہیہ سے مذاق کا سلسلہ ختم ہوجائے،تو آیا یہ مقاطعہ یعنی معاشرتی ترک تعلق جائز ہوگا کہ نہیں؟ جواب سے تشفی فرمائیں۔

جواب: آج کل کے دستور طلاق میں کئی معاصی کا ارتکاب ہوتا ہے،طلاق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے اصلاح ذات البین کی کوشش کی جائے ،مایوسی کی صورت میں اہل صلاح سے استشارہ واستخارہ کیا جائے ،اس کے بعد بھی طلاق ہی میں خیر نظر آئے تو حیض کے بعد قبل وطء صرف ایک طلاق رجعی دی جائے ،اس کے برعکس آج کل طلاق میں مندرجہ ذیل معاصی کا ارتکاب لازم ہوگیا۔

الف:۔ بدون غور وفکر جلد بازی۔

با:۔ اصلاح کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔

جیم:۔ خاندان کے بااثر وباصلاح اشخاص سے مشورہ نہیں لیا جاتا۔

دال:۔ استخارہ نہیں کیا جاتا۔

ھا:۔ حیض سے فراغت کا انتظار نہ کیا جائے۔

واو:۔ بیک وقت دو، تین بلکہ تین طلاقیں لازم سمجھی جاتی ہے۔

زا:۔ تین طلاقیں دینے کے بعد جب کوئی صورت واپسی کی نہیں ہوتی تو حلالہ ملعونہ سے کام لیا جاتا ہے،اور بعض تو لعنت حلالہ کے بجائے عمر بھر لعنت زنا میں مبتلا رہتے ہیں۔،

ان وجوہات کی بناء پر طلاق کا مروج دستور بلاشبہہ واجب التعزیر جرم ہے حکومت پر فرض ہے کہ ایسے جرم پر عبرتناک سزا دے،حکومت کی طرف سے غفلت کی صورت میں برادری کی طرف سے مقاطعہ کی تعزیر مناسب۔فقط واللہ تعالی اعلم :۲۲/ جمادی الآخرہ ۱۴۰۰ھ۔احسن الفتاوی: سعید کمپنی کراچی ۔(۱۹۵،۱۹۶/۵)۔

لیکن احقر کے نزدیک موجودہ دور کے حالات میں ''مقاطعہ'' یا ''حبس'' اس جرم کے سدباب کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ ''مالی تعزیر'' صرف ایک ایسا ہتھیار ہے جو معاشرے میں پھیلے اس ناسور کو ختم کرنے میں کارگر ہوسکتا ہے۔

''تعزیر مالی '' کی احتیاج اس لئے بھی ھے کہ دوسرے نکاح کے خراجات کا تحمل آج انتہائی دشوار ھے ساتھ میں ''بیت المال کا نظم نہ ھونا بھی ایک سبب ھے ۔

دوسری بات بھی قابل توجہ ہے وہ یہ کہ زمانہ قدیم میں بے سہارا عورتوں اور لاچار اور بےبس افراد کی مالی اعانت کے لئے ''بیت المال'' کا انتظام

وانصرام حکومت وقت کی نگرانی میں مصروف عمل رہتا تھا آج جب کہ حالات بلکل دیگر گوں ہے تو ان حالات میں عورتوں کے دوسرے نکاح کا بوجھ معاشرے کے قلیل طبقہ کو چھوڑ اکثر اٹھا نہیں پاتے، وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کی خود کی مالی حالت ناگفتہ بہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے بہت ساری مطلقہ عورتیں یا تو بغیر نکاح کے تجرد کی زندگی گذارنے اور والدین کی اعانت کے بجائے خود ان سے تعاون کی محتاج ہو کر رہ جاتی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یا تو خودکشی یا اپنی عزت وآبرو کو ناجائز طریقہ پر غیر کی آغوش میں دینے، کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

پوری دنیا کے مملکتوں کے قوانین میں جس میں کچھ مسلم ممالک بھی ہیں ’’مالی تعزیر‘‘ کا اجراء پایا جاتا ہے :۔

علاوہ ازیں اس وقت دنیا کی تمام تر مملکتوں میں مالی تعزیر کا اجرا پایا جاتا ہے خصوصا بہت سارے ایسے مسلم ممالک میں بھی جہاں کے قوانین سے ہم سبھی تقریبا واقف ہیں ’’تعزیر مالی‘‘ کی نظیریں دیکھنے کو ملتی ہے جیسے خلاف قانون غلط جگہ گاڑی پارک کرنا، عام سڑکوں اور شہراہوں پر کوڑا کرکٹ یا تعمیراتی سامان رکھنا، یا حقوق انسانی کے کسی جرم کا ارتکاب ہو جانا وغیرہ جیسے بہت سے مسائل ہیں جن میں حکومتوں کی طرف سے تعزیر مالی کے قوانین کی شکل میں بہت سارا پیسہ وصول کیا جاتا ہے اب اگر حقوق نسواں کے نام پر یا مطلقات مظلومہ کی اعانت نصرت، ملکی عدالتوں سے بطور تعزیر و تنبیہ ’’بعد عدت نفقہ مطلقہ ‘‘ کے عنوان سے ہو رہی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔

’’مالی تعزیر‘‘ اب پوری دنیا میں رائج ہونے کی وجہ سے عرف بن چکا ہے یہ بھی اس کے جواز اور نافذ العمل کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔

ان تمام چیزوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر اس کو عرف پر محمول کریں گے بایں معنی کہ اب ’’تعزیر مالی‘‘ کو بقیہ تعزیرات پر فوقیت حاصل ہو چکی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ دور حاضر میں دنیا کے تمام تر عدالتی نظاموں میں ’’مالی تعزیر‘‘ کو نافذ کیا جارہا ہے تو یہاں بھی عرف پر محمول کر کے اس کے جواز کا قول اختیار کرنا بہتر نظر آتا ہے۔

فقہ مالکی کو اصول میں حنفیہ کے قریب تر ہونے کی وجہ سے ضرورۃ عملایا جاتا ہے تو کیوں نہ یہاں اس مسئلہ میں اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے ’’مالی تعزیر ‘‘کے جواز کا حکم دیدیا جائے۔

آخری گذارش ہے کہ موجودہ حالات میں اور طلاق کے بے جا استعمال کے سد باب کے لئے مالکیہ کے قول کی طرف رجوع کرتے ہوئے ’’تعزیر مالی‘‘ کو جائز قرار دیدیا جائے تو ایسا کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات کو مد نظر رکھتے ہوئے تیسرے سوال کا جواب خلاصۃ درج ذیل ہے:

خلاصہ جواب، سوال نمبر تین :۔

مطلقہ کا بعد عدت محض ضد اور طالق یا اس کے گھر والوں کو پریشان کرنے کے لئے عدالت سے رجوع کرنا جائز نہ ہوگا۔

اگر عورت کے ساتھ طالق کی طرف سے طلاق بلاوجہ دینا ثابت ہو جاتا ہے یا ضرورت سے زیادہ طلاق کا استعمال پایا جاتا ہے نیز عورت پر مرد کی طرف سے ظلم وزیادتی کا ثبوت بھی ہو رہا ہے یعنی کوئی ایسی لغزش یا خطاء نہیں پائی جارہی ہے جس کی وجہ سے طلاق دینا مباح ہو جاتا ہو تو ان صورتوں میں اپنے اوپر سے زیادتی وظلم کے دفعیہ کے لئے عدالت سے رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عدالت کی طرف سے مالی تعزیر کا فیصلہ ہونے کے بعد اس کو سابقہ شوہر کی طرف سے ’’ھدیہ‘‘ ماننا صحیح نہیں ہے البتہ حکومت وقت کی طرف سے ’’اعانت‘‘ کہنے میں کوئی مانع بھی نہیں ہے۔

حکومت کی طرف سے فیصلہ ہو جانے کے بعد جب اس کو ’’تعاون‘‘ مانیں گے تو اس صورت میں احقر کے نزدیک ’’بے سہارا مطلقہ‘‘ اور دیگر مطلقہ

کے درمیان

فرق کرنا غیر ضروری ہوگا۔

البحث الرابع والخامس عن السوال الرابع والخامس معا:۔

قرابت کی وجہ سے جن لوگوں کا نفقہ واجب ہوتا ہے ان میں والدین کا نفقہ واجب ہونے پر تمام فقہاء کا اجماع و اتفاق ہے کیونکہ اللہ تعالی نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے، والدین کی کفالت حسن سلوک میں داخل ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: سب سے پاکیزہ کھانا وہ ہے جو آدمی کی اپنی کمائی کا ہو اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے۔

والدین کا نفقہ اس وقت اولاد کے ذمہ واجب ہوتا ہے جب ان میں خود اپنی ضروریات مکمل کرنے کی صلاحیت نہ ہو۔

والدین اگر محتاج ہوں، ساتھ ہی کسب معاش کی صلاحیت رکھتے بھی ہوں لیکن کماتے نہ ہوں تب بھی ان کا نفقہ اولاد کے ذمہ واجب ہے۔ والدین کو کمانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

والدین کا نفقہ جس میں کھانا، پینا، رہائش سبھی شامل ہیں اولاد پر بقدر کفایت واجب ہوتا ہے۔

اگر والدین میں سے کوئی نکاح کی حاجت رکھتا ہو تو اولاد پر ان کے نکاح کا انتظام واجب ہوگا اور مہر کی ذمہ داری بھی اولاد پر ہوگی۔ اس موقف میں حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کا اتفاق ہے اگر چہ احناف کے یہاں دوسرا قول واجب نہ ہونے کا بھی ملتا ہے۔

نفقہ کے ان احکام میں جو والدین سے متعلق ہیں دادا، دادی، نانا، نانی بھی شامل ہیں اگر وہ محتاج ہوں تو پوتے، پوتیاں، نواسے اور نواسیاں ان کا نفقہ ادا کریں گے۔

والدین کا نفقہ ادا کرنے میں اولاد کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوگا یعنی اولاد کو تنہا اپنے مال سے والدین کی کفالت کرنی ہوگی چاہئے یہ کفالت کھانے، پینے، رہنے سہنے تک محدود ہو یا نکاح کی حاجت وضرورت بھی ہو۔

والدین اور دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ کا نفقہ اولاد مذکر ومؤنث دونوں پر واجب ہے پھر اس میں لڑکوں اور لڑکیوں کی ذمہ داری قول صحیح کے مطابق مساوی ہوگی۔

مندرجہ بالا صورتوں سے متعلق قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عبارات فقہاء ملحوظ ہوں:۔

آیات بینات:۔

ارشاد باری تعالی ہے:۔

لینفق ذوسعة من سعته ومن قدر علیه رزقه فلینفق مما اتاه الله لا یکلف الله نفسا الا ما آتاها: سورة الطلاق۔(۷)۔

وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف :البقرة ۔(۲۳۳)۔

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما انفقوا من اموالهم : النساء ۔(۳۴)۔

وقضى ربک الا تعبدوا وبالوالدين احسانا .الاسراء۔(۲۳)۔

ووصينا الانسان بوالديه حسنا : العنكبوت۔(۸)۔

وصاحبهما فى الدنيا معروفا :لقمان۔(۱۴)۔

احادیث مبارکہ:۔

عن جابر بن عبد الله رضى الله عنه أن رجلا جاء الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعه أبوه فقال: "يا رسول الله

ان لی مالا وان لی ابا وله مال وان ابی یرید أن یأخذ مالی ،فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم :أنت ومالک لأبیک.احمد :(۲۱۴/۲)۔أبوداؤد : کتاب البیوع :باب فی المؤجل یأکل من مال ولده .ابن ماجة : کتاب التجارات :باب ما للرجل من مال ولده ۔

عن النبی صلی الله علیه وسلم قال :أن اطیب ما یأکل الرجل من کسبه وان ولده من کسبه فکلوا من کسب اولادکم اذا احتجتم الیه بالمعروف۔

والدین پر مطلقہ کے نکاح، بیوہ بیٹی کی کفالت، کی ذمہ داری کو حدیث پاک میں ترغیباً ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:۔

حضرت سراقہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں بہترین صدقہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ اور وہ صدقہ اپنی اس بیٹی کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے جو تمہارے پاس واپس بھیج دی گئی ہے اور جس کے لئے تمہارے علاوہ اور کوئی کمانے والا نہ ہو یعنی اگر تمہاری بیٹی کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی ہو، اور نہ تو اس کے پاس کوئی ایسا ذریعہ ہو جس سے وہ اپنی زندگی کے دن پورے کر سکے اور نہ کوئی ایسا بیٹا اور کوئی ایسا خبر رکھنے والا ہو جو اپنی کمائی سے اس کے لئے گذر بسر کا سامان فراہم کر سکے بلکہ صرف تم ہی اس کے لئے واحد سہارا بن سکتے ہو اور وہ اسی کے لئے ناچار ہو کر تمہارے گھر آن پڑی ہو تو تمہاری طرف سے اس کی کفالت اور اس کے ساتھ حسن سلوک ایک بہترین صدقہ ہے۔

وعن سراقة بن مالکؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم قال الا ادلکم علی افضل الصدقة ابنتک مردودة الیک لیس لها کاسب غیرک رواه ابن ماجه.مشکوة المصابیح :باب البر والصلة :الفصل الثالث۔(۴۲۵)۔

محشی مشکوۃ نے اس حدیث پاک کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

قوله : ابنتک بالرفع هو صدقتها .قوله :مردودة بالنصب علی الحالیة ای مطلقة .قوله : راجعة الیک ای لیس لها کاسب ای منفق علیها .قوله: غیرک بالرفع علی الوصفیة وفی نسخة بالنصب علی الاستثناء لکنه ضعیف لان الصحیح فی ذی الحال أن یکون معرفة هذا. حاشیة مشکوة ۔(۴۲۵)۔

ملاعلی قاریؒ نے علامہ طیبیؒ کے حوالہ سے اس حدیث پاک کی توضیح ان الفاظ کی زیادتی کے ساتھ فرمائی ہے:۔

قال الطیبی: ویمکن أن تقدر صدقة تستحقها ابنتک فی حال ردها الیک ،ولیس لها کاسب غیرک وهما حالان اما مترادفان أو مختلفان والله أعلم .مرقاةالمفاتیح شرح مشکوة المصابیح ؛دار الفکر ۔(۳۱۳۱/۸:رقم ۵۰۰۲)۔

فقهی عبارات:۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

(و) تجب ایضا (لکل ذی رحم محرم صغیر أو أنثی) مطلقا (ولو) کانت الانثی (بالغة) صحیحة (أو) کان الذکر (بالغا) لکن (عاجزا) عن الکسب (بنحو زمانة) کعمی وعته وفلج ، زاد فی الملتقی والمختار: أو لا یحسن الکسب لحرفة أو لکونه من ذوی البیوتات أو طالب علم (فقیرا) حال من المجموع بحیث تحل له الصدقة لو له منزل وخادم علی الصواب .بدائع.

قوله :مطلقا :قید للأنثی ....أی سواء کانت بالغة او صغیرة صحیحة أو زمنة کما أفاده بقوله : "ولو کانت الخ" والمراد بالصحة القادرة علی الکسب ،لکن لو کانت مکتسبة بالفعل کالقابلة والمغسلةلا نفقة لها کما مر.الدر مع الرد ۔(۹۳۸/۲، ۹۳۹)۔

وعـليه نفقة زوجة أبيه ....بل تزويجه ...ولو له زوجات فعليه نفقة واحدة يدفعها للأب ليوزعها عليهن .قوله :(وعليه نفقة زوجة ابيه)أى فى رواية .وفى اخرى : ان كان الاب مريضا أو به ذمانة يحتاج للخدمة.الدر مع الرد۔(۹۲۲/۲)۔

(وتـجـب) الـنفقة بانواعها على الحر (لطفله) يعم الانثى والجمع (الفقير) قوله: (الفقير) أى لم يبلغ حد الكسب ،فان بـلـغـه كـان لـلأب أن يـوجـره أو يـدفـعـه فـى حرفة ليكتسب وينفق عليه من كسبه لو كان ذكرا ،بخلاف الانثى كما قدمه فى الحضانة عن المؤيدة قال الخير الرملى: ولو استغنت الانثى بنحو خياطة وغزل يجب أن تكون نفقتها فى كسبها كما هو ظاهر ،ولا نـقـول تـجـب عـلـى الاب مـع ذالک ،الا اذا كـان لا يكفيها فتجب على الاب كفايتها بدفع القدر المعجوز عنه ولم أره لاصـحـابـنا .ولا ينافيه قولهم بخلاف الانثى ، لأن الممنوع أيجارها ،ولا يلزم منه عدم الزامها بحرفة تعلمها الخ: أى الممنوع ايـجـارها للخدمة ونحوها مما فيه تسليمها للمستأجر بدليل قولهم : لأن المستأجر يخلو بها ،وذا لا يجوز فى الشرع ،وعليه فله دفعها لأمرأة تعلمها حرفة كتطريز وخياطة مثلا.الدر مع الرد ۔(۹۲۳/۲)۔

(وكذا)تجب (لولده الكبير العاجز عن الكسب) كأنثى مطلقا .

قـولـه : (كـأنثـى مـطلقا) أى ولم يكن بها زمانة تمنعها عن الكسب فمجرد الانوثة عجز، الا اذا كان لها زوج فنفقتها عليه ما دامت زوجة ،...وأنه لو كان لها كسب لا تجب عليه .الدر مع الرد :باب النفقة :كتاب الطلاق۔(۲۹۵/۲)۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:۔

وعـلـى الـرجـل أن ينفق على أبويه وأجداده وجداته اذا كانوا فقراء وان خالفوه فى دينه.الهداية : كتاب الطلاق ،باب النفقة .(۲/ ۲۰۱،۲۰۲).

(ولا يشـارک الـولـد فـى نـفـقـة أبـويه أحد) لأن لهما تأويلا فى مال الولد بالنص ، ولا تأويل لهما فى مال غيره ولأنه أقرب الناس اليها فكان أولى باستحقاق نفقتهما عليه .الهداية۔(۴۲۶/۲)۔

وفـى الـبـحـر تحت قول الكنز هو تقريب محرم فقير عاجز عن الكسب بقدر الارث لو موسرا وشرط المصنف اليسار لأن الفقير لا تجب عليه نفقة غير الاصول والفروع والزوجة.الهداية۔(۲۱۱/۴)۔

ولا يشـارک الـولد فى نفقة أبويه أحد ....وهى الذكور والاناث بالسوية فى ظاهر الرواية وهو الصحيح ،لأن المعنى يشملها. الهداية .(۲/ ۴۲۶).

(والـنـفـقـة لكل ذى رحم محرم اذا كان صغيرا فقيرا أو كانت أمرأة بالغة فقيرة أو كان ذكرا بالغا فقيرا أزمنا أو أعمى)....(ويـجب ذالک على مقدار الميراث)...ولا تجب نفقتهم مع اختلاف الدين ...)(..ولا تجب على الفقير)...ثم اليسار ...عن محمدؒ أنه قدره بما يفضل عن نفقة نفسه وعياله شهرا أو بما يفضل عن ذالک من كسبه الدائم كل يوم لأن المعتبر فى حقوق العباد انما هو القدرة دون النصاب فانه للتيسير.الهداية : كتاب الطلاق :باب النفقة ۔(۴۲۸،۴۲۶/۲)۔

علامہ ابن الھمامؒ لکھتے ہیں:۔

(وتـجـب نـفـقـة الابنة البالغة والابن الزمن على أبويه أثلاثا على الاب الثلثان وعلى الام الثلث)لأن الميراث لهما على حـزا الـمـقـدار ،قـال الـعبد الضعيف: هذا الذى ذكره رواية الخصاف والحسن . وفى ظاهر الرواية كل النفة على الاب لقوله تعالى : وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف ، وصار كالولد الصغير.الهداية مع فتح القدير۔(۳۵۱/۳)۔

عالمگیری میں لکھا ہے:۔

قال ویجبر الولد الموسر علی نفقة الابوین المعسرین مسلمین کانا أو ذمیین قدرا علی الکسب أو لم یقدر ...ولا یشارک الولد الموسر أحد فی نفقة أبویه المعسرین کذا فی العتابیة...واذا اختلطت الذکور والاناث فنفقة الابوین علیهما علی السویة فی ظاهر الروایة وبه أخذ الفقیه أبو اللیث وبه یفتی کذا فی الوجیز للکردری.الفتاوی الهندیة :الفصل الخامس فی نفقة ذوی الارحام۔(۱/۵۶۴،۵۶۵)۔

الاب اذا کان فقیرا معسرا وله أولاد صغار محاویض وابن کبیر موسر یجبر الابن علی نفقة أبیه ونفقة أولاده الصغار کذا فی المحیط السرخسی.

والام اذا کانت فقیرة فانه یلزم الابن نفقتها وان کان معسرا وهی غیر زمنة.

وان احتاج الاب الی الزوجة والابن موسر وجب علیه أن یزوجه أو یشتری له جاریة الخ.الفتاوی الهندیة :الفصل الخامس فی نفقة ذوی الارحام۔(۱/۵۶۵)۔

علامہ کاسانی حنفی تحریر کرتے ہیں:۔

وأما الجبر والحبس :فالصلة تحتمل ذالک فی الجملة فانه یجبر علی نفقة الاقرب ویحبس بها.بدائع الصنائع:زکریا ۔(۳/۴۳۳)۔

صاحب ”المحیط البرهانی “علامہ برہان الدین صدر الشرعہ ابن مازہ البخاری ”نوع آخر مما یجب نفقة الوالدین “کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں:۔

قال : ویجبر الرجل الموسر علی نفقة ابیه وامه اذا کان محتاجین ؛ لقوله تعالی : ”ووصینا الانسان بوالدیه حسنا “ فقد أوجب علی الولد الاحسان بوالدیه ،ورأس الاحسان بوالدیه فی احیائهما .وکذالک بالانفاق علیهما فقال علیه الصلوة والسلام :ان اطیب ما یأکل الرجل من کسبه فکلوا من اکتساب اولادکم اذا احتجتم الیه بالمعروف.ولان للاب فی مال الابن حق الملک :قال : علیه السلام ”أنت ومالک لابیک“ .ولو کانت فیه حقیقة الملک الا انه انما یجب علیه انفاقهما اذا کان موسرا ؛ لأن نفقة الاقارب صلة محضة ،والصلات المالیة ما شرعت الا اهل الثروة والیسار ،واعتبر صدقة الفطر والاضاحی هکذا .ذکر الشیخ الامام الزاهد المعروف بخواهر زاده ،والشیخ الامام شمس الائمة السرخسی رحمهما الله تعالی ،والخصافؒ فی کتابه اعتبر القدرة علی الانفاق ولم یعتبر الیسار حتی قال : اذا کان فی کسب الابن فضل عن قوته یجبر الابن علی أن ینفق علی أبیه من ذالک الفضل وهو موافق لقوله علیه السلام ”کلوا من کب اولادکم “الخ.المحیط البرهانی :ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی۔(۴/۳۴۹)۔

خلاصہ جواب سوال چار وپانچ بذیل ہے:۔

سوال نمبر چار اور پانچ سے متعلق فقہ کی مختلف کتابوں میں درج بالا عبارتوں سے جو باتیں خلاصۃً سمجھ میں آتی ہیں وہ بذیل ہیں:۔

الف:۔ مطلقہ (غیر معتدہ) کے پاس اگر خود اتنا مال ہو کہ وہ اپنے اخراجات اور نکاح کی ذمہ داری خود اٹھا سکے تو اس صورت میں وہ خود کفیل مانی جائے گی،اور وہ اپنا نکاح،اخراجات کے پورا کرنے کی خود ذمہ دار ہوگی۔

با:۔ مطلقہ (غیر معتدہ) کا نفقہ اور نکاح کی ذمہ داری اس کے اصول وفروع پر ہوگی اگر اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور وہ محتاج محض ہو تو اس صورت میں

اس کی کفالت اس کے اصول وفروع پر واجب ہوگی۔

جیم:۔ اگر اصول اور فروع دونوں جمع ہو جائیں تو اس صورت میں اس کے نکاح اور نفقہ کہ ذمہ داری ''فروع'' یعنی اولاد پر ہوگی۔

دال:۔ اگر کئی اولاد ہوں تو ہر ایک پر والدین کا نفقہ برابر واجب ہوگا۔ نفقہ میں ان کے نکاح کی ذمہ داری بھی سب پر برابر ہوگی یہاں تک کہ مہر کی ادائیگی کا ذمہ بھی انہی پر ہوگا۔

ھا:۔ اگر ''فروع'' سب مالدار نہ ہوں تو ان میں سے جو بھی مالدار ہوگا چاہئے مذکر ہو یا مؤنث اس پر نکاح اور نفقہ کی ذمہ داری واجب ہوگی اور اس امر میں اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کیا جائیگا۔

واو:۔ اگر ''فروع'' خود بھی محتاج ہوں تو اس صورت میں نکاح اور نفقہ کی ذمہ داری ''اصول'' پر ہوگی۔

زا:۔ مطلقہ (غیر معتدہ) کا نفقہ اور نکاح کی ذمہ داری، اگر ان کے اصول وفروع نہ ہوں تو ان کے خوشحال ذی رحم محرم رشتہ داروں پر بقدر حصہ وراثت واجب ہوگا۔

بقدر حصہ وراثت کا مطلب یہ ہے کہ اگر محتاج ذی رحم محرم رشتہ داروں کا اس وقت انتقال ہو جائے اور بالفرض یہ کچھ ترکہ چھوڑ جائے تو اس کے ورثہ کو جس تناسب سے اس کا ترکہ ملنا چاہئے اسی تناسب سے ان (مفروض ورثہ) پر نفقہ واجب ہوگا۔

حا:۔ اگر مذکورہ بالا اقارب چاہئے اصول ہوں یا فروع یا ذی رحم محرم ہوں نفقہ ادا کرتے نہیں ہیں اور اعراض پایا جاتا ہے تو ان سے جبراً نفقات واجبہ وصول کئے جائیں گے مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس سلسلے میں قاضی یا موجودہ دور میں ملکی عدالت سے اپنے حقوق واجبات کی ادائیگی کی درخواست دائر کرے۔ پھر جب قاضی کی طرف سے یا موجودہ حالات میں عدالت سے نفقات کا حکم آجائے تو اس صورت میں یہ نفقات ان اقارب پر دین کی حیثیت سے ذمہ میں ادا کرنے ضروری ہونگے۔

البحث السادس عن السوال السادس:۔

اسلام نے نکاح کو میثاق غلیظ یعنی ایک مضبوط عہد و پیمان کہا ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ جب مرد وزن کے درمیان یہ عقد وجود میں آئے تو انہیں چاہئے کہ امکانی حد تک اس کو مستحکم بنائیں اور تادم حیات نباہ کی کوشش کریں، یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے مرد کو بار بار یہ باور کرایا ہے کہ اگر کوئی آپسی وجہ ان بن کا سبب بنے یا عورت ناپسند ہو تو اس وقت عجلت سے کام لئے بغیر اس خلاف طبیعت کام کو گوارا کرنا چاہئے۔

ارشاد باری ہے: **فان کرھتموھن فعسی ان تکرھو شیأ ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا۔**

اگر تمہیں وہ ناپسند بھی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالی اس میں بہت بھلائی رکھے۔

حدیث میں آیا ہے: **لا یفرک مؤمن مؤمنۃ ان کرہ منھا خلقا رضی منھا اخر۔**

کوئی ایمان والا اپنی مومنہ عورت کو کسی عادت کی وجہ سے ناپسند نہ کرے کیونکہ ایک عادت اگر کراہت کا سبب بنتی ہے تو دوسری عادت سے خوشی مل سکتی ہے۔

لیکن کبھی ایسے احوال آن پڑتے ہیں کہ اصلاح حال کی تمام تر کوششیں بے سود ہو جاتی ہیں جس سے مقاصد نکاح کا فقدان لازمی طور پر سامنے آتا ہے انسیت ومحبت کے بجائے نفرت وبیزاری پیدا ہوتی ہے۔ قانون اسلام چونکہ ہمہ جہتی ہے تو ایسی صورتحال میں طلاق کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ابن قدامہ حنبلیؒ نے ان احوال کو مندرجہ ذیل الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے:

فأنہ ربما فسدت الحال بین الزوجین فیصیر بقاء النکاح مفسدۃ محضۃ وضرر مجرد بالزام الزوج النفقۃ والسکنی وحبس المرأۃ مع سوء العشرۃ وخصومۃ دائمۃ من غیر فائدۃ فاقتضی ذالک شرع ما یزیل النکاح لتزول المفسدۃ الحاصلۃ

منہ.(المغنی ۱۰/ ۳۲۳ ،دار عالم الکتب الریاض) یہی وجہ ہے کہ علماء نے طلاق کی مشروعیت پر اجماع نقل کیا ہے اور طلاق کی مشروعیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ علامہ ابن قدامہ المقدسیؒ لکھتے ہیں:

الطلاق: حل قید النکاح ،وھو مشروع ،والاصل فی مشروعیتہ الکتاب والسنۃ والاجماع الخ.(المغنی لابن قدامۃ ۱۰/ ۳۲۳،دار عالم الکتب)

اس سے پہلے کہ ہم ان حالات پر گفتگو کریں جن کی وجہ سے طلاق دینا مباح بن جاتا ہو، بہتر ہے کہ طلاق کی اصل کو جانا جائے جو کہ بذیل ہے۔

طلاق کی اصل کیا ھے:۔

طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے یا مکروہ؟ اس سلسلے میں علماء کی دو رائیں سامنے آتی ہیں۔

قول اول:

جمہور علماء جس میں مسالک اربعہ کے اکثر فقہاء آتے ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ طلاق اصلاً مکروہ ہے۔

قول ثانی:

بعض احناف، اصحاب الظواہر میں سے ابن حزمؒ اور علامہ شوکانیؒ کی رائے یہ ہے کہ طلاق اصلاً مباح ہے۔

اقوال جمہور:۔

الف:۔ مالکیہ میں سے علامہ قرطبی مالکیؒ ''فان کرھتموھن الخ'' آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

قال علمائنا :فی ھذا. دلیل علی کراھۃ الطلاق مع الاباحۃ الخ .(الجامع لأحکام القران ۶/ ۱۶۲ ،بیروت)

ب:۔ حنابلہ کے مشہور امام علامہ ابن قدامہ المقدسی الحنبلیؒ نے اقسام طلاق کا ذکر کرتے ہوئے ایک قسم کو مکروہ لکھا ہے جس کی توضیح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ بلا ضرورت طلاق دینا مکروہ ہے۔

ومکروہ وھو الطلاق من غیر حاجۃ .(المغنی لابن قدامۃ ۱۰/ ۳۲۴،دار عالم الکتب)

ج:۔ شوافع میں سے علامہ نوویؒ کی عبارت سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی طلاق میں اصلاً ممانعت اور کراہت ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

وأما المکروہ فأن یکون الحال بینھما مستقیما فیطلق بلا سبب وعلیہ یحمل الحدیث ''ابغض الحلال الی اللہ الطلاق'' الخ.(شرح النووی علی المسلم ۱۰/ ۶۲)

د:۔ کتب احناف میں علامہ ابن الھمامؒ، علامہ شامیؒ، علامہ سرخسی اور صاحب ہدایہؒ کی عبارات سے بھی یہی موقف ظاہر ہوتا ہے کہ طلاق اصلاً مکروہ وممنوع ہے اور اباحت حاجت وضرورت کی وجہ سے ہے۔

علامہ شامیؒ صاحب درؒ کی اس عبارت '' (وایقاعہ مباح) عند العامۃ لاطلاق الایات أکمل (وقیل)قائلہ الکمال (الاصح حظرہ) أی منعہ(الا لحاجۃ) کریبۃ وکبر،والمذھب الاول کما فی (البحر)وقولھم الاصل فیہ الحظر معناہ ان الشارع ترک ھذا الاصل فأباحہ'' پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما الطلاق فأن الاصل فیہ الحظر بمعنی أنہ محظور الا لعارض یبیحہ الخ.(الدر مع الرد ۴/ ۳۱۴،۳۱۵،دار الکتاب)

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: أن الاصل فی الطلاق ھو الحظر لما فیہ من قطع النکاح الذی تعلقت بہ المصالح الدینیۃ والدنیویۃ والاباحۃ للحاجۃ الی الخلاص.(ھدایہ مع البنایہ ۵/ ۹ دار الفکر بیروت)

شمس الائمہ علامہ سرخسی لکھتے ہیں: ایقاع الطلاق مباح وأن كان مبغضا فی الاصل عند عامة العلماء الخ. (المبسوط ۳/۶)

مستدلات جمہور:۔

فان كرهتموهن فعسى أن تكرهوا شيئا ويجعل الله فيه خيرا كثيرا ۔یعنی اگر تمہیں اپنی بیبیاں ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ تعالی نے اس میں خیر کثیر رکھا ہو۔

علامہ قرطبیؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے: ''فی هذا دليل على كراهة الطلاق مع الاباحة''۔

عن ابن عمر رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال أبغض الحلال الى الله الطلاق (ابو داود ۲۱۷۸) ۔یعنی حلال چیزوں میں سے طلاق اللہ پاک کو ناپسند ہے۔

حضرت ابوموسی اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح کرو لیکن طلاق نہ دو کیونکہ اللہ تعالی مزہ چکھنے والے مردوں اور مزہ چکھنے والی عورتوں کو پسند نہیں فرماتے ہیں۔

عن ابى موسى الاشعرىؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تزوجوا ولا تطلقوا فان الله لايحب الذواقين والذواقات. (طبرانی، بزاز)

علامہ ابوبکر جصاصؒ نے مذکورہ تین دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: احادیث مبارکہ اور آیت کریمہ کا مدلول یکساں ہے کیونکہ دونوں کی دلالت اس بات پر ہے کہ طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔

فهذا القول عن النبى صلى الله عليه وسلم موافق لما دلت عليه الاية من كراهة الطلاق والندب الى الامساك بالمعروف مع كراهته لها. (احكام القران للجصاص ۴۷/۳، بيروت)

علامہ شامیؒ نے اپنے مسلک کی توضیح کرتے ہوئے ''فان اطمعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا'' کو مؤید بناتے ہوئے ''يبقى على اصله من الحظر'' بیان کیا ہے آپ لکھتے ہیں:

''فحيث تجرد عن الحاجة المبيحة له شرعا يبقى على اصله من الحظر ولهذا قال الله تعالى فان اطمعنكم فلا تبغوا الخ أى لا تطلبوا الفراق''. (رد المحتار على الدر المختار ۴۲۷/۴)

علامہ سرخسیؒ نے دو حدیثیں مستدل بنائی ہیں۔پہلی وہ جس میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لعن الله كل ذواق مطلاق ۔کہ اللہ کی لعنت ہو ایسے شخص پر جو مزہ چکھتا ہے اور بکثرت طلاق دیتا ہے۔

دوسری حدیث وہ ہے جس میں یہ بیان آیا ہے کہ جو عورت بغیر کسی سبب کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہو تو اس پر اللہ تعالی، ملائکہ، اور تمام لوگوں کی لعنت برستی ہے۔(مبسوط ملخصا ۳/۶، بیروت)

علامہ کاسانیؒ نے جمہور کے مسلک کی عقلی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ''نکاح مصلحت والا بندھن ہوتا ہے جو دین و دنیا کے مصالح کا موجب بنتا ہے اور طلاق سے ان مصالح کا ابطال ہوتا ہے جو کہ فساد کا موجب ہے اور اللہ تعالی فساد کو پسند نہیں کرتا۔

أن النكاح عقد مصلحة لكونه وسيلة الى مصالح الدين والدنيا والطلاق ابطال له وابطال المصلحة فساد وقد قال الله عز وجل والله لا يحب الفساد. (بدائع الصنائع ۱۵۱/۳، زكريا ديوبند)

فریق ثانی کے اقوال ومستدلات:۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں: طلاق کے ابغض المباحات سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ طلاق باعتبار اصل مکروہ ہو۔

لأن كونه أبغض الحلال لا يستلزم أن يكون مكروها كراهة اصوليا.(نيل الاوطار ٦/٢٣٣)

ابن حزم ظاہریؒ کا فرمانا ہے آیات قرانیہ کے ظاہر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مرد جب چاہئے طلاق دے سکتا ہے لہذا طلاق اصلا مباح ہے۔

فوجب أنه تعالى أباح طلاقها متى شاء الزوج.(المحلى ،كتاب الطلاق ١٠/١٦٣)

مستدلات:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حفصہ کو طلاق دینا دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں کیونکہ اگر طلاق دینا مکروہ ہوتا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم طلاق نہ دیتے۔علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

لأن النبى صلى الله عليه وسلم انما يفعل ما كان جائزا من غير كراهة.(نيل الاوطار ٦/٢٣٣،بيروت)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حالت حیض میں طلاق دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرما کر رجعت کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ رجعت کے بعد "**ثم ان شاء أمسک بعد وأن شاء طلق قبل أن يمس**"۔

علامہ نوویؒ نے اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے:

وجه الدلالة فى قوله صلى الله عليه وسلم أن شاء امسک وان شاء طلق دليل على انه لا اثم فى الطلاق بغر سبب.(شرح النووى على المسلم ١٠/٦١،المطبعة المصرية)

گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ابن عمرؓ کو امساک اور طلاق میں اختیار دینا طلاق کی اصل یعنی اباحت پر دلالت کرتا ہے۔لیکن خود امام نوویؒ نے ہی فریق مخالف کے اس طرز استدلال کو قبول نہیں کیا اور درج ذیل الفاظ کے ذریعے رد کیا:

لكن يكره للحديث المشهور فى سنن ابى داود وغيره أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ابغض الحلال الى الله الطلاق فيكون حديث ابن عمرؓ لبيان أنه ليس بحرام وهذا الحديث لبيان كراهة التنزيه.(شرح النووى على المسلم ١٠/٦١)

فریق مخالف نے ایک دلیل "طلاق کے اصلاً مباح" ہونے کے سلسلے میں عمل صحابہ سے پیش فرمائی ہے۔ان کا کہنا ہے کہ : حضرت عمرؓ کا ام عاصم کو طلاق دینا،عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا تماضرؓ کو طلاق دینا،حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا بیک وقت اپنی چار بیبیوں کو طلاق دینا،اسی طرح حضرت حسنؓ کے متعلق منقول ہے کہ وہ شادیاں بھی کثرت سے کرتے تھے اور طلاق بھی کثرت سے دیتے تھے،وغیرہ ذالک۔ان صحابہ کا طلاق دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طلاق باعتبار اصل مشروع ومباح ہے اگر مکروہ اور ناپسندیدہ ہوتا تو یہ حضرات اس امر کا ارتکاب نہ فرماتے۔(مبسوط ملخصا ۳/۷)

فریق مخالف کے مستدلات کا جواب:۔

فریق مخالف کے مذکورہ آثار وآیات سے طلاق کی اباحت کے مدعا کو اتم واکمل طور پر ثابت کرنا عدم قرینہ کی وجہ سے مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ صاحب فتح القدیر علامہ ابن الھمامؒ نے ان آیات وآثار کو ضرورت وحاجت پر محمول کرتے ہوئے لکھا ہے:

وكل ما نقل عن طلاق الصحابة ...فمحمله وجود الحاجة .(فتح القدير ملخصا ٣/٤٦٦،ايضا حاشية ابن عابدين ٤/٤٢٧)

حضرت حسنؓ کے حوالے سے جو آرا فریق مخالف کے منقول ہیں فقہاء انہیں،ان کی ذاتی اجتہادی رائے پر محمول کرتے ہیں۔ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

وأما ما روى عن الحسن فهو على رأى منه .(فتح القدير ملخصا ٣/٤٤٦)

آمدم بر سر مطلب جو ہمارے سوال کا بنیادی حصہ ہے کہ :

طلاق کب دی جائے :-

جب یہ بات واضح ہوئی کہ طلاق اصلا محظور ومکروہ ہے بلاضرورت نہ دی جائے بلکہ حاجت کے وقت اس کا استعمال ہو تو شریعت نے اس کے واقعہ کرنے کے لئے ایک ضابطہ قائم کیا ہے کہ جب مقاصد نکاح فوت ہو جائیں اور اصلاح حال کی کوئی شکل باقی نہ رہے تو طلاق دینا بلا کراہت درست ہوگا ۔علامہ کاسانیؒ رقمطراز ہے:

بأن علم الزوج ان المصالح تفوته بنكاح هذه المرأة ....فتنقلب المصلحة فى الطلاق ليستوفى مقاصدا النكاح من امرأة اخرى.(بدائع ۳/ ۱۵۱)۔

یعنی طلاق اس وقت دی جائے جب شوہر جانے کی اس عورت کے ساتھ رہتے ہوئے نکاح کے بقاء میں مقاصد نکاح فوت ہو جائیں گے تو ایسی حالت میں مصلحت یہی رہتی ہے کہ دوسری عورت سے نکاح کرے تاکہ مقاصد حاصل ہوں ۔گویا علامہ کاسانی کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مقاصد کا ابطال ہی طلاق کا وجہ جواز بن سکتا ہے۔

مقاصد نکاح کا اجمالی تذکرہ:-

نکاح کے اہم ترین مقاصد میں سے مودت ورحمت،عفت وعصمت کا تحفظ،جنسی ضرورت کی جائز طریقے سے تکمیل،نسل انسانی کی افزائش وغیرہ ہے۔ملاحظہ ہو:

(سورۃ الروم ۲۱،الاعراف ۱۸۹،النساء ۲۴،۲۵،مسلم: "فانه اغض للبصر واحصن للفرج"،ابوداود :"تزوجوا الودود الولود الخ"،عينى مع الهدايه ۵/ ۹،بيروت)

کن صورتوں میں طلاق دینا درست ہے ۔

چنانچہ جو چیز ان مذکورہ مقاصد نکاح میں مخل ثابت ہو تو قید نکاح کو رفع کرنے کے لئے شریعت نے طلاق کی اجازت دی ہے ۔اس کے علاوہ احادیث اور فقہ کے وسیع ذخیرہ میں جن وجوہ کو طلاق کے واقع کرنے کے لئے بیان کیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عورت کا کردار مشکوک ہو۔(۲) بداخلاق ہو یعنی بداخلاقی عادت بن چکی ہو اور اس کا معیار یہ ہے کہ وہ بداخلاقی قابل تحمل نہ ہو ورنہ بقول ابن حجر ہیثمیؒ کے کہ کوئی عورت کامل اخلاق والی نہیں ہوتی ہے۔(۳) بدصورت ہو۔(۴) شرائع کی پابند نہ ہو۔(۵) موذی یعنی شوہر یا اس کے اہل کو تکلیف دیتی ہو۔(۶) طلاق دینے سے تادیب مقصود ہو۔(۷) نکاح کے حقوق کی ادائیگی مشکل ہو۔(۸) عورت سن رسیدہ ہو چکی ہو اور لائق وطی نہ ہو۔ان وجوہ سے متعلق عبارات مندرجہ ذیل ہیں:

آیات قرآنیه :۔

الطلاق مرتان...الا أن يخافا ألا يقيما حدود الله الخ.النساء

واذا طلقتمن النساء الخ.النساء

فأمساک بمعروف أو تسريح بأحسان الخ .النساء

احادیث مبارکه:-

الف:۔ عن لقيط بن صبرة قال قلت: يا رسول الله ! أن لى امرأة فى لسانها شئى ...يعنى البذاء...قال طلقها .قلت ان لى منها ولدا ولها صحبة قال ""فمرها " يقول عظها فان بک فيها خير فستقتبل الخ.(ابو داود بحواله مشكوة مع المرقاة

۷/۱۷۳،دار الکتب العلمیة)

عن ابن عباس ؓ أن امرأة ثابت بن قیس ؓ أتت النبی صلی الله علیه وسلم فقالت :یارسول الله !ثابت بن قیس ما اعتب علیه فی خلق ولا دین والکنی اکره الکفر فی الاسلام فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم :أتردین علیه حدیقته ؟قالت نعم .قال رسول الله صلی الله علیه :"أقبل الحدیقة وطلقها تطلیقة".(مشکاة مع المرقاة ۳۲۴/۷)

ملاعلی قاری الحنفیؒ اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

تعنی لیس بینی وبینه محبة وأکره طبعا فأخاف علی نفسی فی الاسلام ما ینافی حکمه من بغض ونشوز وغیر ذالک مما یتوقع من الشابة المبغضة لزوجها....(أقبل الحدیقة وطلقها تطلیقة) أمر اصلاح وارشاد الخ.(مرقاة ۳۸۰/۷،بیروت)

روی أن رجلا جاء الی النبی صلی الله علیه وسلم وقال ان أمرأتی لا ترد ید لامس فقال صلی الله علیه وسلم طلقها فقال انی احبها فقال صلی الله علیه وسلم أمسکها اذن.(المبسوط ۳/۷)

عبارات فقهاء:۔

قال القاریؒ :انما ابیح للحاجة هی الخلاص عند تبیاین الاخلاق وعروض البغضاء الموجبة عدم اقامة حدود الله .(مرقاة ۳۸۷/۷)۔

فمن الحاجة المبیحة أن یلقی الیه عدم اشتهائها بحیث یعجز او یتضرر بأکراهه علی جماعها ،فهذا اذا وقع ،فان کان قادرا علی طول غیرها مع استبقائها ورضیت باقامتها فی عصمته بلا وطی أو بلا قسم فیکره طلاقه ...وان لم یکن قادرا علی طولها أو لم ترض هی بترک حقها فهو مباح لأن مقلب القلوب رب العالمین.(فتح القدیر ۴۶۲/۳)

ویکون مستحبا وهو ما اذا کانت موذیة او تارکة لصلاة لا تقیم حدود الله کما فی غایة البیان ،وهذا یفید أن معاشرة من لا تصلی لا اثم فیها.(النهر الفائق شرح کنز الدقائق۳/۱۰۳)

بل یستحب لو موذیة ،قال الشامی :أطلقه فشمل الموذیة له او لغیره بقولها أو بفعلها.(در مع الرد ۴۲۸/۴)

(ویجب لو فات امساک بالمعروف) کما لو کان خصیا أو مجبوبا أو عنینا أو شکازا أو مسحرا.(در مع الرد ۴۲۸/۴)

ومن محاسن الطلاق التخلص به من المکاره أی الدینیة والدنیویة کأن عجز عن اقامة حقوق الزوج أو کان لایشتهیها.(در مع الرد ۴۲۸/۴)

أو مندوب کأن یعجز عن القیام بحقوقها ولو لعدم المیل الیها أو تکون غیر عفیفة ما لم یخش الفجور بها .....أو سیئة الخلق أی بحیث لا یصبر علی عشرتها عادة فیما یظهر والا فمتی توجد امرأة غیر سیئة الخلق .....أویامر به أحد والدیه أی من غیر تعنت .(تحفة المحتاج ۲۴۸/)

شرع الله النکاح لأقامة الحیاة الزوجیة المسقرة،المبنیة علی المحبة والمودة بین الزوجین ،واعفاف کل منهما صاحبه وتحصیل النسل وقضاء الوطء .واذا اختلت هذه المصالح ،وفسدت النوایا ،وتنافرت الطباع وساء ت العشرة ونحو ذالک من الاسباب التی تؤدی الی الشقاق المستمر الذی تعصب معه الحیاة الزوجیة ولم ینفع الوعظ والهجر واستنفدت جمیع وسائل الاصلاح بین الزوجین واستعصی حل الخلافات الزوجیة بسبب تباین الاخلاق او بسبب الاصابة بمرض

لايحتمل او عقم لا علاج له ونحو ذالک مما يؤدی الی ذهاب المودة والمحبة ونمو الكراهية والبغضاء وتعقد الحياة الزوجية فاذا وصل الامر الی هذا الحد فقد شرع الله الطلاق.(الموسوعة الفقهية ۱۷۸/۴)

يستحب طلاقها اذا كانت سليطة موذية او تاركة لصلاة لا تقيم حدود الله .(البحر الرائق ۴۱۴/۳،بيروت)

لكن جهة الحظر تندفع بالحاجة ككبر او ريبة أو دمامة خلقة او تنافر طباع بينهما أو ارادة تأديب او عدم قدرة على الاقامة بحقوق النكاح ونحو ذالک.(منحة الخالق على البحر الرائق لابن عابدين ۴۱۳/۳)

نشوز المرأة اما ان يكون بالقول أو بالفعل او بهما معا والكل محرم ،فالنشوز بالفعل كالاعراض عن الزوج والعبوس فی وجهه وعدم طاعته فيما يجب والتثاقل والامتناع اذا دعاها لفراشه۔

والنشوز بالقول كان ترفع صوتها عليه أو تجيبه بشدة أو بكلام خشن أو تسبه وترميه بما ليس فيه ونحو ذالک .(موسوعة الفقه الاسلامی ۱۶۲/۴)

فلا يحل الا عند الضرورة وذالک اما لكبر السن ...واما لريبة .(المبسوط ۳/۶)

مذکورہ بالاعبارات کی روشنی میں یہ سمجھنا آسان ہوجاتا ہے کہ کن حالات میں،کس عورت کوطلاق دینا جائز ہوجاتا ہےاور کس عورت کوطلاق دینا جائزنہیں۔

الف ۔ اگر بیوی کا کردارمشکوک ہواورقرائن بھی موجود ہوں تو شوہر طلاق دے سکتا ہے۔

ب۔ بیوی کا کردارمشکوک ہواورقرینہ موجودنہ ہو،تومحض شک کی بناء پراس کوطلاق دینادرست نہ ہوگا کیونکہ شریعت میں شک کا اعتبار نہیں ہے۔

ج۔ محرمات سے بچنے کے سلسلے میں بیوی شوہر کی اطاعت نہ کرے اسی طرح فرائض وواجبات تلف کرے تو ایسی صورت میں بھی طلاق کی گنجائش ہے۔

د۔ اگرشوہرکسی مباح کام کا اپنی بیوی کوحکم کرے مثلا کھانا بنانے کا حکم کرے،یا کسی دوسری خدمت کا حکم دے،یا والدین کی خدمت کا حکم دے،یا عورت بہتر پکوان کا سلیقہ نہ رکھتی ہوتو ان امور کی وجہ سے طلاق نہیں دی جاسکتی ہے۔علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

ولو جاء الزوج بطعام يحتاج الی الطبخ والخبز فأبت المرأة الطبخ والخبز ،لا تجبر على ذالک ويؤمر الزوج أن يأتی لها بطعام مهيأ.(بدائع الصنائع ۴۳۰/۳ ،زكريا)

ھندیہ میں آیا ہے :وان قالت لا أطبخ ولا أخبز لا تجبر على الطبخ والخبز وعلى الزوج أن يأتيها بطعام مهيا أو يأتيها بمن يكفيها عمل الطبخ والخبز .(هندية ۵۴۸/۱)

ہ۔ شوہر کے والدین اگرکسی معقول بنیاد پرطلاق دینے کا حکم دیں تو اس صورت میں طلاق کی گنجائش ہے۔لیکن اگر بلاوجہ طلاق کا حکم دیں تو اس صورت میں والدین کی اطاعت لازم نہیں۔

و۔ کوئی خاص وجہ نہ ہوپھر بھی طلاق دینا چاہتا ہےتو ایسی صورت میں طلاق دینا مکروہ ہے۔

عورت کو بھی شریعت نے طلاق کے مطالبہ کا حق دیا ہے:۔

ز۔ نکاح کے بعد اگرعورت کسی ایسی مصیبت اور تکلیف میں ہوجس کوشریعت تسلیم بھی کرتی ہواورمرد سے پیچھا چھڑانے کی کوئی سبیل نہ ہوتو جس طرح مردکوبوقت سخت مجبوری کے طلاق دے کرعورت سے اپنا رشتہ ختم کر لینے کی اجازت ہےاسی طرح عورت کوخلع کے ذریعے مرد سے پیچھا چھڑانے کی اجازت شریعت نے دی ہے۔لیکن اسلام نے عورت کواس بات پرمتنبہ کردیا کہ وہ معمولی معمولی باتوں پر بہانہ بنا کرخلع کا مطالبہ نہ کرے،ورنہ عورت سخت وعید کی

مستحق ہوگی۔

ایما امرأة سالت زوجها طلاقا فی غیر باس به فحرام علیه رائحة الجنة المتبرعات والمختلعات هن المنافقات (ابن ماجه ۲۰۵۵) یعنی اپنے خاوند کی نافرمانی کرنے والی اور اپنے خاوند سے خلع (بلا وجہ) چاہنے والی عورتیں منافق ہیں (مشکوۃ شریف کتاب الطلاق) البتہ اگر بیوی دیانت داری سے یہ محسوس کرے کہ اگر علیحدگی اختیار نہ کی گئی تو حدود اللہ پامال ہونگے اور وہ فتنہ میں مبتلا ہو جائے گی تو ایسی مجبوری میں قاضی عدالت میں پہنچ کر تفریق اور فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے۔

جن صورتوں میں عورت طلاق، تفریق یا فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ھیں وہ درج ذیل ھیں:

شوھر کا بلاوجہ مار پیٹ کرنا:

مخصوص حالات میں شریعت شوہر کو تادیبی کاروائی کی اجازت دیتا ہے اس تادیبی کاروائی کے حدود شریعت نے خود ہی طے کردئے ہیں۔

شریعت نے طے کردیا کہ تادیب میں صرف مبرح کی صورت نہ ہو مسلم شریف میں ہے فان فعلن فاضربوھن ضربا غیر مبرح لہذا اگر شوہر عورت کے ساتھ غیر شرعی طریقہ پر مار پیٹ کا سلسلہ جاری رکھے تو عورت کو مطالبہ تفریق کا اختیار ہوگا۔

شوھر کا باضابطه کسب نه کرنا اور بیوی کے نفقه سے عاجز ھونا:

اگر شوہر باضابطہ کسب معاش نہ کرے جس کی بنا پر وہ بیوی کے نفقہ سے عاجز ہو جائے اور عورت کے لئے ایسی حالت میں اپنے شوہر کے ساتھ زندگی گزارنا مشکل ہو جائے تو ایسی صورت میں ہمارے مشائخ نے شافعیہ اور مالکیہ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے عورت کو تفریق کا حق دیا ہے۔ کیونکہ احناف کے یہاں ایسی عورت کے لئے اس زمانہ کے لحاظ سے کوئی معقول اور قابل عمل حل نہ تھا۔

امام شافعیؒ کا مسلک ''نہایۃ المحتاج'' میں نقل کیا گیا ہے کہ (والا) بان لم تصبر ابتداء وانتهاء بان صبرت ثم عن لها الفسخ كما يعلم من كلامه(فلها الفسخ)بالطريق اللآتی(على الاظهر)لخبر الدار قطنی والبهيقی فی الرجل لا يجد شيئا ينفق على امراته يفرق بينهما وقضى به عمر رضی الله تعالى عنه ولم يخالفه احد من الصحابة وقال ابن المسيب السنن السنة وهو اولیٰ من الفسخ بنحو الفتنة (ص۲۶۰ ج۶)

شافعی مسلک میں عورت کو اس حالت میں بھی فسخ کا حق ہے کہ شوہر کے اصل (یعنی اب وجد) کے سوا کوئی دوسرا عورت کو تبرعاً نفقہ دے اس طرح کہ تبرع کا قبول کرنا عورت پر لازم نہیں ہے۔

(ولو تبرع رجل)ليس اصلاً ولا سيدًا للزوج(بها)عنه وسلما لها(لم يلزمها القبول)بل لها الفسخ لما من المنة (ص۲۶۱ ج۶)

امام مالک کا مسلک ''مدونہ'' میں ہے۔ قال لها مالک وكل مالم يقوم على نفقة امراته فرق بينهما (بحوالہ الفسخ والتفریق) یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے طویل تجربات کا اظہار فرمایا ہے جو کتاب مسلم پرسنل لاص ۳۵ بحوالہ نان ونفقہ پر درج ہے۔

دوسرے نکاح کے بعد عدم مساوات کا تحقق:

دوسرا نکاح کرنے کے بعد شریعت نے شوہر کو اس بات کی تاکید کی ہے کہ دونوں بیویوں کے ساتھ معاملہ یکسان درجہ کا ہو۔

ولا تذروها كالمعلقة

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كالت عبد الرجل امرتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط (ترمذی شریف کتاب النکاح)

لہذا اگر شوہر نکاح ثانی کے بعد پہلی بیوی کے ساتھ تعلقات استوار نہ رکھے اس پر ظلم وزیادتی کرے اور بیوی کے شرعی وسماجی حقوق کی ادئیگی میں بے پرواہی برتے اور آپس میں شقاق ودشمنی پیدا ہوجائے جس کی وجہ سے مقاصد نکاح فوت ہوجائیں تو عورت کو شرعاً حق اور اختیار ہے کہ وہ قاضی شریعت کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کر کے تفریق حاصل کرے۔

نشہ کا عادی ہونا:

شوہر کو نشہ پینے کی عادت ہے اس کی ساری توجہ نشہ آور اشیاء کے حصول کی طرف لگ جاتی ہے اور اس بنا پر وہ زمین وجائداد فروخت کردیتا ہے اسباب معیشت کے اختیار کرنے سے بھی دست بردار ہوجاتا ہے اور ایسا آدمی جو یقیناً بیوی سے بھی بے خبر ہوکر اس کے حقوق کی ادائیگی تو درکنار بلکہ اسے مار پیٹ، گالی گلوچ اور جسمانی وروحانی اذیت وتکالیف پہنچانے سے گریز نہ کرتا ہو اور ایسا بددین شوہر بجائے دین پر عمل کر کے بیوی کے لئے بھی دین پر عمل کرنے میں سدراہ بن جاتا ہے جس سے عورت کو شوہر سے طبعی نفرت پیدا ہوجاتی ہے تو ایسی صورت میں مقصد نکاح کے حاصل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے عورت کو مطالبہ تفریق کا حق ہونا چاہیے۔

عن عباس رضی الله تعالی عنه ان امراة ثابت بن قيس اتت النبی صلی الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله صلی الله عليه وسلم ثابت بن قيس ما اعتب عليه فی خلق ولا دين ولكن اكره فی السلام فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم اتردين عليه حديقته قالت نعم قال رسول الله صله الله عليه وسلم اقبل الحديقة وطلقها تطليقة. بخاری بحواله مشكوة مع المرقاة(حديث ۳۲۷۴)

ملاعلی قاریؒ **الدر المنتقی فی شرح الملتقی** میں رقم طراز ہے **باب العنين ص ۴۷۲ - ۴۷۱ ج ۱ وكذافی الطحطاوی علی الدر المختار (باب العنين)**

وفی الشامی ولهذا قالوا ان سببه الحاجة الیٰ الخلاص عند تبائن الاخلاق وعرض البغضاء الموجبة عدم اقامة حدود الله تعالی.

اور اسی لئے فقہاء کرام نے کہا ہے کہ طلاق کی مشروعیت کا سبب چھٹکارا حاصل کرنے کی ضرورت ہے جبکہ میاں بیوی کے اخلاق میں دوری پیدا ہو جائے اور ایسا بغض وعداوت پیدا ہوجائے جسکے ذریعے اللہ تعالی کے حدود کو قائم رکھنا ممکن نہ ہو۔

اجنبی عورت کے ساتھ مشتبہ تعلقات :

اسلام ظن وتخمین اور بدگمانی سے روکتا ہے جس سے تباہی وبربادی آتی ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ **يا ايها الذين امنو اجتنبو اكثيرا من الظن ان بعض الظن اثم(الحجرات)** دوسری جگہ ارشاد ہے **يا ايها الذين امنوا ان جائكم فاسق بنباء فتبينوا ان تصيبوا قوما بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمين**۔ بلکہ قرآن مقدس نے مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں کے متعلق افواہوں پر دھیان دینے کے بجائے حسن ظن رکھنے کا پابند بنایا ہے۔ ارشاد ہے۔ **لولا اذسمعتوه ظن المئمنون والمؤمنت بانفسهم خيراً**۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اياكم والظن فان الظن اكذب الحديث(متفق عليه)

ان نصوص کی روشنی میں کسی اجنبی عورت کے ساتھ ظاہری تعلقات کو دیکھکر بدگمانی میں مبتلا ہونا اور یہ سمجھنا کہ اس کے ساتھ واقعی غلط تعلقات ہیں درست نہیں ہے البتہ اگر قرائن اور شواہد سے شوہر کا زانی ہونا ثابت ہوجائے تو عورت کو چاہیے کہ مناسب انداز میں سمجھا کر صحیح راستہ پر لانے کی کوشش کریں اگر ایسا نہیں ہو پایا اور شوہر غلط کردار میں آگے ہی بڑھتا چلا جائے اور بیوی سے بے التفات رہنے لگے نہ نفقہ دے نہ ہی حق زوجیت ادا کرے اور عورت کے

لئے اپنے شوہر کے ساتھ عفت وعصمت کے ساتھ زندگی گزارنا ناممکن ہو جائے تو عورت کو مطالبہ تفریق کا حق رہیگا جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کی تصریح فرمائی ہے(ص۱۴۰ ج ۵) صرف شوہر کے بدکار ہونے سے عورت کو علیحدگی کا حق نہ ہوگا حضرت اقدس فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ نے ایک ایسے ہی سوال کے جواب میں یہی جواب تحریر فرمایا(فتاوی محمودیہ ص ۱۸۷ ج ۲)

شوهر کے افراد خاندان کے ساتھ موافقت نہ هونا:

بیوی کا شوہر کے خاندان والوں کے ساتھ رہ کر زندگی گزارنے میں اگر پریشانی نہ ہو تو بیوی کے لئے یہ سعادت مندی ہے کہ ساس، خسر کی خدمت کا موقع ملے گا۔لیکن اگر ساتھ رہ کر زندگی گزارنی مشکل ہو جائے اور شوہر کے اہل خانہ ظلم وزیادتی اور ناروا سلوک کرنے لگیں تو شریعت نے عورت کو حق دیا ہے کہ وہ اپنے شوہر سے علیحدہ مکان کا مطالبہ کرے اور شوہر کے خاندان والوں سے الگ تھلگ ہو جائے جیسا کہ علامہ کاسانیؒ ''بدائع'' میں تحریر فرماتے ہیں بحوالہ عورت کا نفقہ، اسی طرح علامہ خصاف حنفیؒ ''النفقات'' میں تحریر فرماتے ہیں۔اسی طرح ''شرح مختصر خلیل'' اور ''شرح النبیل'' میں تحریر کیا گیا ہے۔

اسی بناء پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں''اور نفقہ ہی کا ایک جز بی بی کو رکھنے کے لئے گھر دینا ہے اس ایک عام غلطی میں اکثر مرد مبتلا ہیں کہ جداگانہ گھر نہ دینا اپنے ذمہ واجب نہیں سمجھتے.....عالمگیری میں ہے:

تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن اهله واهلها الا ان تختار ذالک كذافي العينى شرح الكنز (عالمگیری ص۵۶۵ ج۱)۔

لہذا اگر شوہر مصر ہو کہ خاندان والوں کے ساتھ عدم موافقت کے باوجود شامل ہی رہنا پڑے گا اور شوہر اپنی بیوی کو علیحدہ مکان دینے کے لئے تیار نہ ہو اور بیوی بہت ہی زیادہ پریشانیوں میں مبتلا ہو کر متنفر ہو چکی ہو تو اپنے حق کی وصولی اور دفع ظلم کے لئے شرعی عدالت میں جاسکتی ہیں قاضی شوہر سے اس کا واجبی حق ادا کر دے یعنی شوہر علیحدہ مکان اور رشتہ داروں کے ساتھ شامل نہ رکھنے کے لئے کہے گا اگر شوہر یہ حق ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائے تو ٹھیک ورنہ عورت کے مطالبے پر دفع ظلم کی خاطر تفریق بھی کرسکتا ہے۔

البحث السابع والثامن عن السوال السابع والثامن معا:۔

تین طلاق دینے کو ''طلاق مغلظہ'' کہتے ہیں، فقہ کی اصطلاح میں طلاق مغلظہ کو ''بائن کبری'' اور اس کے مقابلہ میں طلاق بائن کو ''بائن صغری'' بھی کہا جاتا ہے۔ایک ساتھ تین طلاق دیدینا سخت گناہ ہے لیکن اگر دیدی گئی تو تینوں واقع ہو جاتی ہیں، خواہ ایک ساتھ دے یا الگ الگ۔

اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر تین مجلسوں میں الگ الگ طلاق دے تب تو بہر حال تین طلاق واقع ہو جائیں گی، اگر تین کے عدد کی صراحت کے ساتھ ایک ہی مجلس میں تین طلاق دیدی گئی تب بھی تین طلاق ہی واقع ہو جائیں گی۔

البتہ اگر ایک ہی مجلس میں تین بار صیغۂ طلاق کا تلفظ کیا جائے اور تین طلاق کی صراحت نہ کی جائے جیسے کوئی یوں کہے''میں نے طلاق دی''، ''میں نے طلاق دی''، ''میں نے طلاق دی''، یا طلاق، طلاق، طلاق کہے تو اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ شوہر کی نیت تین طلاق دینے کی ہو، اگر ایسا ہو تب بھی تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

اور اگر شوہر یہ کہے کہ میرا مقصد ایک ہی طلاق دینا تھا دوسری بار میں نے یہ جملہ محض تاکید کے لئے کہا ہے تو اگر معاملہ قاضی کے پاس نہ گیا ہو اور شوہر اپنی بیوی کے ساتھ رہ رہا تو تو ایک ہی طلاق واقع ہونے کی صورت میں اس کی گنجائش ہے۔اور یہ حکم دیانۃً ہوگا۔اور اگر شوہر نے جھوٹ بول کر ایسا کہا تو سخت گنہگار اور مستقل حرام کاری کا مرتکب ہوگا۔

اور اگر اس طرح کا معاملہ قاضی کے پاس پہنچ گیا ہو تو اس صورت میں قاضی شوہر کی بات کا اعتبار نہ کرتے ہوئے تینوں طلاقوں کے واقع ہونے کا فیصلہ کریگا۔اور یہ فیصلہ قضاء ہوگا۔

اسی طرح اگر عورت کو اس کا علم نہ ہو تب تو اس کا شوہر کو اپنے نفس پر قابو دیدینا جائز ہوگا اور اگر عورت کو اس کا علم ہو تو وہ دیانۃً شوہر کو اپنے نفس پر قابو نہ دینے کی مکلّف ہوگی اس صورت میں عورت پر واجب ہے کہ وہ مرد سے دوری بنائے رکھے۔

فتاوی ھندیہ میں اسی چیز کو یوں لکھا گیا ہے:۔

رجل قال لامرأته أنت طالق ،أنت طالق ، أنت طالق فقال عنيت بالاولى الطلاق والبچانية والثالثة افهامها صدق ديانة وفي القضاء طلقت ثلاثا كذا في فتاوى قاضيخان .متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو أو بغير حرف الواو ويتعدد الطلاق وان عنى بالثانى الاول لم يصدق فى القضاء الخ .فتاوى الهندية :زكريا ـ(۳۵۶/۱)۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی ''اقتران الطلاق بلفظ الثلاث وتكراره ''عنوان کے ذیل میں ''شامی ،المهذب ، القوانين الفقهية ، مغنى المحتاج ، المحلى کتابوں کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

اتفق فقهاء المذاهب الاربعة والظاهرية على أنه اذا قال الرجل لغير المدخول بها :''أنت طالق ثلاثا ''وقع الثلاث لأن الجميع صادف الزوجية ،فوقع الجميع كما لو قال ذالک للمدخول بها.

واتفقوا ايضا على أنه ان قال الزوج لأمرأته :''أنت طالق ،أنت طالق ، أنت طالق''وتخلل فصل بينها ،وقعت الثلاث سواء قصد التأكيد أم لا ؛لأنه خلاف الظاهر .وان قال :قصدت التأكيد صدق ديانة لا قضاء.

وأم لم يتخلل فصل : فان قصد تأكيد الطلقة الاولى بالأخيرتين ، فتقع واحدة ؛لأن التاكيد فى الكلام معهود لغة وشرعا .وان قصد استئنافا أو أطلق (بان لم يقصد تأكيدا ولا استئنافا)تقع الثلاث،عملا بظاهر اللفظ.

وكذا تطلق ثلاثا ان قال :أنت طالق ، أنت طالق، أنت طالق،أو عطف بالواو أو بالفاء.الفقه الاسلامى وادلته :الهدى ديوبند۔(۳۷۷/۷)۔

قول قضا اور قول دیانت میں فتوی کی رو سے کونسا نقطہ نظر صحیح ہے ؟

اس کا جواب دئے جانے سے پہلے ضروری ہے کہ ''طلاق صریح'' میں نیت کا اعتبار کس حد تک صحیح ہے اور کس حد تک صحیح نہیں ہے؟ کو جاننا اور فقہاء کے موقف سمجھنا ازحد ضروری ہے۔ چنانچہ علامہ شامیؒ نے ''طلاق صريح' 'میں نیت کے اعتبار کرنے ،نہ کرنے میں ''مطلب فى قول البحر: أن الصريح يحتاج فى وقوعه ديانةً الى النية ' 'عنوان کے تحت تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے قضاء و دیانۃً طلاق صریح کے واقع ہونے کے سلسلے میں متعدد صورتیں بیان کی ہیں جو بذیل ہیں:

الف:۔ ''فتح '' کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اگر طالق نے زوجہ کی طرف طلاق کی نسبت کا قصد کیا ہے،''عالما بمعناه ''ہو،''لم يصرف ما يحتمله '' بھی نہ ہو۔ تو اس صورت میں یہ طلاق قضاء اور دیانۃ دونوں طرح واقع ہوگی۔

با:۔ اگر عورت نے یا کسی غیر نے مرد کو لفظ طلاق زبان سے کہلوایا اور طالق نے اس کا تلفظ بھی کیا مگر وہ اس کا معنی نہ جانتا ہو۔ تو ایسی صورت میں دو قول ہے ایک مشائخ اوزجند کا کہ ان کے یہاں نہ قضاء طلاق واقع ہوگی نہ دیانۃ۔

دوسرا قول ان علاوہ کا ہے وہ یہ کہ ایسی صورت میں قضاء تو طلاق واقع ہوگی لیکن دیانۃ واقع نہ ہوگی۔

جیم:۔ سبقت لسانی کی وجہ سے طلاق کا لفظ زبان سے نکل گیا تو اس صورت میں بھی صرف قضاء طلاق واقع ہوگی نہ کہ دیانۃ۔

دال:۔ طلاق صریح دینے کے بعد طالق کا دعوی ہے کہ اس نے اگرچہ الفاظ صریح کا استعمال کیا ہے لیکن اس کی نیت عورت کو قید حسی سے آزاد کرنے کی تھی (جس کو فقہ کی کتابوں میں ''الطلاق عن وثاق '' کے الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے) معنوی (حقیقی) قید سے آزاد کرنا مقصود نہ تھا، تو ایسی صورت میں بھی

صرف قضاء طلاق واقع ہوگی دیانۃ نہیں۔

لیکن صاحب درؒ نے اس مسئلہ میں صور قضاء طلاق کے وقوع کو اس صور کے ساتھ مقید کیا ہے اگر طالق نے ''الطلاق عن وثاق ''میں ''اقتران عدد ''نہ کیا ہو اور اگر اس نے ''الطلاق عن وثاق ''کے ساتھ ''اقتران عدد ''بھی کیا ہے تو اس صورت میں مسئلہ کی نوعیت بدل کر قضاء اور دیانۃ دونوں طرح طلاق واقع ہوگی۔

ھا: ''طلاق ھازل''ایسا شخص جس نے زبان سے الفاظ طلاق کا ذکر کیا ہے لیکن اس کا دعوی ہے کہ نہ ہی اس کی نیت ''رفع قید حقیقی'' کی تھی اور نہ ''رفع قید حسی'' کی بالکل یوں ہی بیوی کو خطاب کہا تو اس صورت میں قضاء بھی طلاق واقع ہوگی اور دیانۃ بھی۔

(ویقع بها)...''بحر''(واحدة) رجعية،وان نوا خلافها)....من البائن أو أكثر خلافا للشافعي (أولم ينو يأ) ولو نوى به الطلاق عن وثاق دين ان لم يقرنه بعدد ، الخ.

مطلب في قول البحر: أن الصريح يحتاج فى وقوعه ديانة الى النية.:قوله : (أولم ينو شيأ)لما مر أن الصريح لا يحتاج الى النية ،ولكن لابد فى وقوعه قضاء وديانة من قصد اضافة لفظ الطلاق اليها عالما بمعناه ولم يصرفه الى ما يحتمله ،كما أفاده فى (الفتح)،وحققه فى ''النهر'' ،احتراز عما لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها ،أو كتب ناقلا من كتاب أمرأتى طالق مع التلفظ ،أو حكى يمين غيره فانه لا يقع أصلا ما لم يقصد زوجتهوعما لو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غير عالم بمعناه فلا يقع أصلا على ما أفتى به مشايخ أوزجند صيانة عن التلبيس وغيرهم عن الوقوع قضاء فقط ،وعما لو سبق لسانه من قول أنت حائض مثلا الى أنت طالق فأنه يقع قضاء فقط ،وعما لو نوى بأنت طالق الطلاق من وثاق فأنه يقع قضاء فقط أيضا.وأما الهازل فيقع طلاقه قضاء وديانة....وبهذا ظهر عدم صحة ما فى ''البحر'' و ''الاشباه'' من أن قولهم :أن الصريح لا يحتاج الى النية ،أنما هو فى القضاء .أما فى الديانة فمحتاج أليها أخذا من قولهم :لو نوى الطلاق عن وثاق أو سبق لسانه الى لفظ الطلاق يقع قضاء فقط :أى لا ديانة،لأنه لم ينوه، وفيه نظر، لان عدم وقوعه ديانة فى الاول لأنه صرف اللفظ الى ما يحتمله ، وفى الثانى :لعدم قصد اللفظ .الدر مع الرد :كتاب الطلاق :مطلب فى قول البحر الخ.دار الكتاب۔(۳۳۸،۳۴۱)

ہندیہ میں ہے:۔

واذا قال الرجل لأمرأته أنت طالق ولا يعلم معنى قوله أنت طالق فانه يقع الطلاق واذا قال لأمرأته أنت طالق ولا يعلم أن هذا القول طلاق طلقت فى القضاء ولا تطلق فيما بينه وبين الله تعالى هكذا فى الذخيرة .الهندية .زكريا.(۴۸/۲)۔

مذکورہ بالا اقوال سے ایک تو یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ ''طلاق صریح''میں قضاء نیت کی احتیاج نہیں ہوتی ہے البتہ دیانۃ''طلاق صریح'' کا حکم بیان کرنے کے لئے طالق کی نیت کا اعتبار ہے۔

یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ قول قضا اور قول دیانت میں فتوی کی رو سے ''قول قضاء'' پر فتوی دینا صحیح نقطہ نظر ہے اس لئے کہ ایک تو کلام کو ظاہر پر ہی محمول کیا جائے گا جب تک کہ محتمل ثانی کا اظہار طالق کی طرف سے نہ ہو۔دوسرا طالق کا طریقہ ایقاع طلاق سے بے خبر ہونا عموما پایا جاتا ہے اب اس کا تاکید کا دعوی کرنا یا یہ سمجھنا کہ تین مرتبہ ہی طلاق کا لفظ زبان سے ادا کرنے پر طلاق واقع ہوجاتی ہے،''عدم التأويل الصحيح ''میں داخل ہوگا۔اور اس چیز کا قضاء اور دیانۃ وقوع طلاق میں اعتبار نہیں کیا جائیگا۔بلکہ کلام کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے ایقاع طلاق کا حکم ہوگا اور یہ حکم دونوں طرح،قضاء بھی اور دیانۃً بھی ہوگا۔

نیز یہ کہ موجودہ دور میں طالقین کی طرف سے ''قصد لفظ ،قصد عدد ، خطاب الى الزوجة ،تنازع زوجين،قرائن قصد طلاق

ثلاث، عدم تأويل صحيح ’’کا پایا جانا یقینی ہے اور یہ تمام امور نہ صرف قضاء طلاق کے وقوع کو ثابت کرتے ہیں بلکہ دیانۃً بھی وقوع طلاق کو ثابت کرتے ہیں۔

دیانت وقضاء کا فرق ان معاملات میں ہوتا ہے جہاں کذب وتلبیس وغیرہ کا شبہہ ہو اور ہمارے یہاں طلاق کے واقعات میں ایقاع طلاق عموما لڑائی جھگڑے اور اختلافات ہی کے وقت کیا جاتا ہے۔

طلاق از قبیل قصد وانشاء ہے اور قصد وانشاء میں عدد کے ذکر کے ساتھ قصد وانشاء کا متصف ہونا طے ہے لہذا قول قضاء پر فتوی دئے جانے کا نقطہ نظر صحیح ہی نہیں بلکہ احوط ہے۔

طلاق صریح میں الفاظ طلاق کا تکرار بھی ’’قول قضاء‘‘ کے نقطہ نظر کے صحیح ہونے کی تائید کرتا ہے اس لئے کہ ایک تو طلاق کا تلفظ وقصد پایا جاتا ہے اور دوسرا قصد میں تعداد اس قصد کی شدت کو بیان کرتا ہے بایں معنی کہ ان حالات میں عامی سے ان الفاظ کا تاکیداً کہنا مشکل ہے ارادۃً ہی وہ ایسا کرتا ہے اس لئے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے ’’قول قضاء‘‘ پر فتوی صحیح نقطہ نظر ہے۔

’’قول دیانۃ‘‘ میں جب کہ مرد نے تین طلاقیں دیں ہوں اور اب وہ صرف ایک طلاق کے ارادہ کا ذکر کرتا ہے پھر اگر عورت نے اس کے تکرار طلاق کو خود سنا ہو یا کسی معتدل ومعتمد انسان نے اس کو اس کی خبر دی ہو تو اس صورت میں فقہ کی عبارات عورت کے لئے یہ حکم بیان کرتی ہے کہ وہ مرد کو اپنے نفس پر قابو نہ دے اور قابو نہ دینے کا یہ حکم واجب ہے، یہ مسئلہ بھی اس چیز کی تائید کرتا ہے کہ ’’قول قضا‘‘ کا نقطہ نظر فتوی کی رو سے صحیح ہے۔ چنانچہ علامہ شامی ؒ کی مندرجہ ذیل عبارت بھی اس کی طرف مشیر ہے:

علامہ شامی ؒ تحریر کرتے ہیں:۔

وعلى هذا القياس (قوله: فواحدة ديانة) لاحتمال قصده التأكيد كأنت طالق طالق فتح. قوله :(وثلاث قضاءً) لأنه يكون ناويا بكل لفظ ثلث تطليقة ،وهو مما لا يتجزأ فيتكامل فيقع الثلاث بحر عن المحيط. قال في الفتح والتأكيد خلاف الظاهر وعلمت أن المرأة كالقاضي لا يحل لها أن تمكنه اذا علمت منه ما ظاهر خلاف مدعاه الخ. الدر مع الرد :باب الكنايات۔ دار الکتاب (۴/۴۰۳)۔

والمرأة كالقاضي اذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه. الدر مع الرد :مطلب في قول البحر :كتاب الطلاق . دار الكتاب۔ (۴/۳۴۲)۔

’’المرأة كالقاضي‘‘ ضابطه فقهيه كا منشا ؟:۔

’’المرأۃ کالقاضی‘‘ کوئی فقہی ضابطہ نہیں ہے بلکہ اس جملہ کا استعمال فقہاء اس وقت کرتے ہیں جب شوہر کی طرف سے خلاف ظاہر مدعا پایا جائے تو اس صورت میں عورت کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ قاضی کی طرح شوہر کی نیت کا اعتبار نہ کرتے ہوئے ظاہر کلام جو کہ اس نے اپنے کانوں سے سنا ہے یا کسی عادل نے اس کی خبر دی ہے پر عمل کر کے شوہر کو اپنے نفس پر قابو نہ دے۔

صاحب فتاوی عثمانی ’’حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ‘‘ لکھتے ہیں:۔

’’اس سے واضح ہو گیا کہ قاضی سے عورت کی تشبیہ من کل الوجوہ نہیں، بلکہ حکم بالظاہر کے معاملے میں عمل پر ہے۔ جس سے’’ **المرأة كالقاضي** ‘‘ کا مفہوم یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عورت نے اپنے شوہر سے جو الفاظ خود سنے ہوں ان الفاظ کے ظاہر پر عمل کرنا اس پر واجب ہے، خواہ معاملہ قاضی کے پاس پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو، اور یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر قاضی نے بینہ کے فقدان کی بناء پر کوئی فیصلہ شوہر کے حق میں کر دیا تو عورت بھی اس پر عمل کرے، خواہ اس نے خود شوہر سے اس کے خلاف الفاظ سن رکھے ہوں‘‘۔ فتاوی عثمانی: کتاب الطلاق: مجلس جامع الخیر مدراس۔ (۲/۳۶۰)۔

’’المرأة کالقاضی‘‘صاحب مذہب اور اصحاب مذہب کا قول ہے:۔

’’المرأة کالقاضی ‘‘ کے جملہ کا استعمال فقہاء نے ’’کتب متون‘‘ میں کیا ہے اور ’’کتب متون‘‘ میں مذہب کے اصول وظاہر الروایہ ہی کو اہتمام کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے تو یقیناً صاحب مذہب کا قول ہی مانا جائے گا۔کتب متون میں ’’بدایہ اور کنز شامل ہیں لہذا متن ہونے کی وجہ سے ان کتابوں میں ’’المرأة کالقاضی‘‘ کا ذکر صاحب مذہب اوران کے اصحاب ہی کا قول ہونا قرین صواب ہے۔

علامہ شامیؒ ’’رسم المفتی‘‘ میں ’’المتون المعتبرة وغیرھا ‘‘ عنوان کے ذیل میں کتب متون میں ذکر کردہ عبارات کے متعلق لکھتے ھیں:۔

ثم لا یخفی المراد بالمتون ،المتون المعتبرة کالبدایة ...والکنز والملتقی ...فانها الموضوعة لنقل المذهب ،مما هو ’’الظاهر الروایة‘‘الخ.شرح عقود رسم المفتی:زکریا۔(۱۵۳،۱۵۵)۔

البحث الثامن عن السوال الثامن:۔

سوال میں ذکر کردہ صورت میں ظاہر الفاظ پر عمل کرتے ہوئے تینوں طلاقیں واقع ہوں گی اس لئے کہ کسی بھی چیز کی نیت نہ ہونا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ طالق،طلاق سے ’’رفع قید معنوی‘‘ کا خواہاں ہے اور ’’قصد ،تکرار،عالم بمعناہ‘‘ پائے جانے کی وجہ سے اس طلاق کا حکم بعینہٖ ’’طلاق ھازل‘‘ جیسا ہوگا اور وہ یہ کہ اس صورت میں قضاء اور دیانۃً دونوں طرح سے طلاق واقع ہوجائے گی۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

واما الھازل فیقع طلاقه قضاء ودیانة لأنه قصد السبب عالما بأنه سبب.الدر مع الرد :کتاب الطلاق:مطلب فی قول البحر۔(۳۴۱/۴)۔

هذا ما عندی

وعلم الله الاکمل والاتم،وفوق کل ذی علم علیم

حرره العبد عظمت الله میر الرحیمی الکشمیری

خادم قسمی الافتاء والقضاء

الجامعة الاسلامیة بدار العلوم الرحیمیة باندی فوره :الکشمیر المحتلة

۱۰ /محرم الحرام:المصادف: ۱ /۱اکتوبر

E Mail: mmamir562@gmail.com

qaziazmat562@yahoo.com

Cell: 9419514022